

# دُعَوَتِي تحریک کے ضرورت اور طریقہ کار

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

بڑھتا ہوا معاشرتی اگاڑا اس بات کا اعلان ہے کہ دین کے لیے ہونے والی جدوجہد و شراور نتیجہ خیز نہیں ہو رہی۔ یہ اگاڑا اظہار ہے اس حقیقت کا کہ اس جدوجہد میں ایسے بینادی تقاض اور کمزوریاں موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے اگاڑا کا کمل خاتمہ ممکن نہیں ہے۔ اس کتاب پر میں ان تقاض کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ایک لاکھ عمل بھی دیا گیا ہے۔

سید عاصم رنجیب

Ph 021 - 6976521

الصلطانیلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر 2106 ناظم آباد کراچی

فون: 0303-7291856





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اطْبِعُوا أَلٰهَهُ  
وَاطْبِعُوا رَسُولًا

جَمِيعَ الْعِبَادَاتِ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ

# مُدْعَى الْأَبْرِيْرِي

کتاب و متنی دینی پاپیلے دلی / دینی اسنادی اپنے لاب سے 12 جنوری 2020

## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و متن ڈاٹ کام پر مستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلسِ حقیقۃ النّشانِ الْاسْلَمی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعویٰ مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرہن سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاؤشوں میں بھر پور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈ نگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

- ✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)
- 🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

# دُعَوَتِي تحریک کے

## ضرورت اور طریقہ کار

بودھتا ہوا معاشرتی بگاڑ اس بات کا انعام ہے کہ دین کے لیے ہونے والی جدوجہد و اثر اور نتیجہ خیز نہیں ہو رہی۔ یہ بگاڑ اظہار ہے اس حقیقت کا کہ اس جدوجہد میں ایسے بیادی نقائص اور کمزوریاں موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے بگاڑ کا کمکل خاتمہ ممکن نہیں ہے۔ اس کتابچے میں ان نقائص کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ایک لائچے عمل بھی دیا گیا ہے۔

سید عاصِر نجیب  
Ph 021 - 6974521

الصلطِ پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر 2106 ناظم آباد کراچی

فون: 0303-7291856



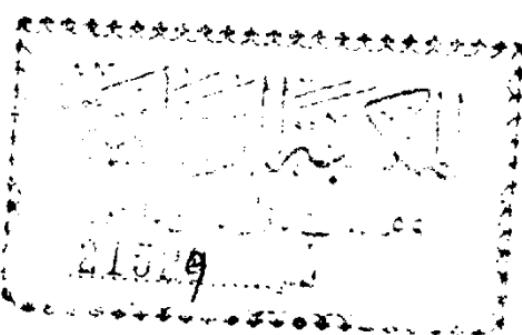
کتاب : دعویٰ تحریک ضرورت اور طریقہ کار

اچھے تاں : آگسٹ 2001ء

تاریخ ایاعت : ۱۵۵۵

ناشر : ایضاً

قیمت : 15 روپے



## فہرست ابواب

- پہلاباب : دین کے لیے جدوجہد ایمان کا قاضہ ہے
- دوسراباب : اسلامی انقلاب کے حوالے سے در پیش چیلنجز
- تیسرباب : دین کے حوالے سے ہونے والی جدوجہد کا تقدیمی جائزہ
- چوتھاباب : کرنے کا کام



## دیباچہ

اس وقت امت مسلمہ زوال اور مغلوبیت کے جس دور سے گزر رہی ہے تاریخ اسلام میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے عین مطابق کافر قومیں چاروں طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہیں اور مسلمانوں کو تباہ کرنے اور لوٹنے کے لیے ایک دوسرے کو دعوت دے رہی ہیں۔ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات اور تہذیب، ثقاافت سے بیگانہ کرنے کے لیے جتن کیتے جا رہے ہیں سیاسی طور پر مسلمانوں کو تھکوں و مغلوب، نانے کی کیا کیا ساز شیں، بروئے کار نہیں لائی جا رہیں، مذہبی غیرت و حمیت کو کچلنے کے لیے کون کون سے ہتھکنڈے استعمال نہیں کیے جا رہے، تاہم مخالفین کی کامیابی کی اصل وجہ ان کی طاقت، ان کے وسائل و ذرائع، ان کی شاطرانہ چالیں نہیں بلکہ اصل وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں یہاں فرمائی چب صحابہ کرام نے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں سے پوچھا کہ کیا اس وقت مسلمان بہت تھوڑے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مسلمان کثرت سے ہوں گے لیکن ان میں دنیا کی محبت اور موت کا خوف پیدا ہو جائیگا۔ اور ظاہر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے توحید و رسالت اور آخرت جیسے بنیادی عقائد ضعف اور بگاڑ کا شکار ہو چکے ہیں اس وقت ضرورت ہے ایک ایسی زبردست دعوتی تحریک کی جو مسلمانوں کے اس روحاںی ضعف اور بگاڑ کو دور کر کے انہیں وہ توانائی فراہم کرے کہ مسلمان ایک مرتبہ پھر دنیا میں عزت کے ساتھ سرا اٹھا کر جی سکیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث کو عملی جامہ پہنا سکیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ایک وقت آئے گا کہ دنیا کے چیزے پر اسلام کی دعوت پہنچ جائیگی۔

قابلِ اطمینان اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے بگاڑ اور زوال میں جتنی زیادہ شدت ہے اللہ رب العالمین نے اصلاح اور عروج کے اس سے کہیں زیادہ امکانات اور اسباب پیدا کر دیئے ہیں ضرورت انہیں پھری طرح استعمال کرنے کی ہے۔ ان امکانات اور اسباب کو

ویکھ کر قرآن کی اس آیت پر یقین پختہ ہو جاتا ہے جس میں اللہ رب العالمین فرماتے ہیں کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ تعلیم کا فروغ، اطمینان رائے کی آزادی اور گھر گھر دعوت پہنچانے کے مؤثر اور تیز فشار ذرائع یہ وہ اسباب ہے جو ہمیں بغیر قیمت دیئے حاصل ہیں۔ ملکی سطح پر دین کے لیے مختلف جماعتیں اور گروہ جو کچھ کو ششیں کر رہے ہیں ان کی بے حد قدر اور احترام کرنے کے باوجود غلبہ دین کے عظیم مقصد کے اعتبار سے انہیں غیر مؤثر اور خاص معنوں میں بے نتیجہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ وہ حتیٰ ہوئی دین سے دوری زبردست معاشرتی بگاڑ اور ہولناک اخلاقی گراوٹ دینی جدوجہد کے غیر مؤثر ہونے کے ناقابل تردید ثبوت ہیں۔ اس لیے دینی جدوجہد کو نتیجہ خیز ہمانے کا اولین تقاضہ یہ ہے کہ ہم ان افکار و نظریات پر نظر ثانی کریں جن کی بہباد پر دین کے لیے جدوجہد کی عمارت کھڑی کی ہوئی ہے اور ساتھ ہی اپنے طریقہ کار اور عملی کوششوں کا جائزہ لیکر کھونج لگائیں کہ ضعف اور نقص کہاں کہاں پایا جاتا ہے۔ زیر نظر کتابچہ اس قسم کی ایک کوشش ہے۔

اس کتابچے میں عامر نجیب صاحب نے تنظیم صراط مستقیم کے افکار کی ترجیhan کرتے ہوئے پہلے باب میں غلبہ دین کی جدوجہد کی ضرورت و اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کی ہے اور اس عمومی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیاوی اور اخروی فلاح کے لیے دین کی خاطر جدوجہد کرنا اور قبلانیاں دینا ضروری نہیں ہے۔ دوسرا باب ان چیلنجز (Chalanges) کے تذکرے پر مبنی ہے جو موجودہ دور میں غلبہ دین کی جدوجہد کرنے والوں کو درپیش ہیں۔ تیسرا باب میں اب تک دین کے حوالے سے جاری جدوجہد کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور چوتھے اور آخری باب میں ان خطوط کو واضح کیا گیا ہے ایک نتیجہ خیز جدوجہد کے لیے جن پر کام ہونا چاہیے۔ اس کتابچے کا مطالعہ کرنے سے ذہن میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر ہم دین کو غالب اور سر بلند کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے کرنے کے کام کیا ہیں؟ میرے خیال میں اس کتابچے کا مطالعہ دین کے ہر کارکن کے لیے مفید ثابت ہوگا خواہ وہ کسی بھی مدد ہبی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں۔

البتہ مجھے اس بات کی کوئی زیادہ امید نہیں کہ ہم عصر دینی جماعتیں جو دین کے غلبے اور فروغ کے لیے سرگرم ہیں ان خیالات اور تقدیم کو سمجھیگی سے لیں گی۔ جنون اور جذبات کی نہ ہی فضایں پیچیدہ منطقی دلائل تو کیا لکھن کیسیں کی بات بھی سمجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ البتہ میری خواہش ہے کہ ہم عصر دینی جماعتیں ان خیالات سے استفادہ کریں۔ اپنی یا اپنی تنظیم کی بروائی اور شان و شوکت ہمارے پیش نظر نہیں اور نہ ہی محض دسائیں کے حصول پر ہماری نظر ہے بلکہ ہماری دلچسپی ساری کی ساری غلبہ دین کی نتیجہ خیز جدوجہد سے ہے۔ (انشاء اللہ)

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عامر نجیب صاحب کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس کے نتائج میں خیر و برکت ڈال دے۔ آمين

محمد اشرف قریشی (فی اے، ایل ایل ہی)  
مرکزی ہاظم اعلیٰ تنظیم صراط مستقیم پاکستان

## پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت کے مظاہر دیکھتے ہیں تو مایوسی دور بھاگ جاتی ہے۔  
ناممکن یا مشکل کے الفاظ اس کی ذات سے منسوب کر دینا ہی بہت بڑی گستاخی ہے وہ تو صرف  
ایک جملے میں اپنی طاقت کا اظہار کر دیتا ہے کہ ”اللہ ہر چیز پر قادر ہے“ یا ”وہ جو چاہے کرتا  
ہے، پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ امت مسلمہ کی اصلاح و عروج جو اسباب کی دنیا میں بظاہر  
ناممکن نہیں تو نہایت مشکل نظر آتے ہیں عملنا ناممکن ہوں۔ مردوں سے زندوں کو نکالنے  
والا اللہ ہی اچھی امیدوں اور توقعات کا مرکز ہے۔

تاریکی کا اپنی انتہا تک پہنچ جانا صبح روشن کے آثار میں سے ہے۔ دیکھنے والی  
آنکھیں تاریکی کو انتہا تک پہنچتا دیکھ رہی ہیں تاریکی کی انتہا سے روشنی کی ابتداء کا سفر در پیش  
ہے اور حالات کچھ ہی ہوں یہ سفر طے ہونا ہی ہے ساری دنیا میں کر بھی سورج کو نکلنے سے نہیں  
روک سکتی یہ اللہ کا اندازہ ہے سورج اپنے وقت پر نکل کر ہی رہتا ہے۔

؟ ”چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بھاجا دیں حالانکہ اللہ  
اپنے نور کو ہر حالت میں مکمل کر یا خواہ کفار کو یہ عمل کتنا ہے ناپسند  
کیوں نہ ہو۔“ (سورہ صف آیت ۸)

اللہ کے منصوبوں کو کون ناکام بنا سکتا ہے رات کے بعد دن کا نکٹا یہ اللہ کا منصوبہ  
ہے اور روم اور ایران جیسی سپر طاقتیں بھی سر زمین عرب سے نکلنے والے توحید و بدایت کے  
اس سورج کو نکلنے سے نہیں روک سکیں جس کا نکٹا اللہ کے ہاں طے ہو چکا تھا اور اللہ کے  
فیصلوں کو بد لئے والا کوئی نہیں۔

آج بھی ضلالت و گمراہی، شر ک و بد عات اللہ تعالیٰ سے لا تعلقی اس کے دین سے  
بیگانگی کی تاریکی حد کو پہنچ چکی ہے اب توحید و بدایت کا سورج طلوع ہوتا ہے یہ بیگنی بات  
ہے۔ ہماری زمہ داری ہماری استطاعت کے مطابق ہے ہم جدوجہد اور کوشش کی استطاعت

رکھتے ہیں نتیجہ ہمارے اختیار میں نہیں البتہ یہ استطاعت بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہے کہ ہم اپنی جدو جمد اور کوششوں کا جائزہ لیں اس کے نقص اور کمزوریاں دور کریں اور اپنی تمام ذہنی و جسمانی صلاحیتیں استعمال کر کے جدو جمد کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنائیں۔ جمال تک نتیجے کی بات تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کہہ دیا کہ تم نتیجے کے پابند نہیں ہو اس سے متعلق تم سے کوئی بوللہ نہیں ہو گا۔

فَهُوَ تَوَكِّلٌ عَلَيْهِ نَحْنُ نَمِينَ

”تو تو کھیت کر دیا کر کہ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے تو کچھ ان پر داروغہ نہیں ہے۔“ (سورۃ الغاشیہ آیت ۲۱، ۲۲)

لیکن جب کوششوں کی بات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو متنبہ کیا:

”اے رسول ﷺ! پنچاڑے جو کچھ بھی تیرے طرف تیر پڑب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔“ (سورۃ المائدہ آیت ۶۷)

یعنی جدو جمد اور کوشش میں کوتاہی قابل گرفت ہے۔ زیر نظر کتابچہ میں غلبہ دین کی جدو جمد کی ضرورت و اہمیت اور اس حوالے سے در پیش چیلنج کی وضاحت کے ساتھ دین کے لیے ہونے والی جدو جمد کا در دوں کے ساتھ تقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے اس جائزے کا مقصد صرف اصلاح ہے اور آخر میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ حالات میں دین کی سربندی کے لیے کس قسم کی جدو جمد ناگزیر ہے۔ مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے لیکن مجھے میں غلطی ثابت ہو جانے کے بعد رجوع کر لینے کا حوصلہ بھی ہے اگر قارئین میں سے کوئی اس کتابچے کا تقیدی جائزہ پیش کر سکے تو میں اس کا احسان مند ہوں گا اور اس تقید پر محدثے دل سے غور کروں گا۔ آپ کو اس کتابچے کے بعض مندرجات سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن بہر حال آپ اتنا تو تسلیم کریں گے کہ دینی جدو جمد کا تقیدی جائزہ لینے اور طریقہ کار پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ وال میں کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ کالا ضرور ہے جبھی تو بکار کم ہونے کے جائے بڑھ رہا ہے اور نہ ہی جامعین مؤثر ہونے کے جائے مزید غیر مؤثر ہوتی چلی

جاری ہیں۔ اس کتابچے میں اسلامی انقلاب کے لیے دعویٰ تحریک کا جو خاکہ پیش کیا گیا ہے آپ چاہیں تو اسے مسترد کریں لیکن اس کے مقابل کوئی ایسا لامحہ عمل ضرور پیش کریں جو آپ کی واثت میں نتیجہ خیر ہو۔

تنظيم صراط مستقیم پاکستان کے پلیٹ فارم سے ہم نے ان ہی خطوط پر کام کرنے کا عزم کیا ہے جو اس کتابچے میں نہایاں کئے گئے ہیں لیکن میرے خیال میں اسلامی انقلاب کے لیے مطلوب ساز گارا اخلاقی فضائی تیاری کسی ایک تنظیم اور جماعت کے بس کی بات نہیں ہے اس کے لیے تمام صحیح العقیدہ دینی جماعتوں کو مدد کو رہ پہلوؤں پر کام کرنا ہو گا۔ میں تنظیم صراط مستقیم پاکستان کے کارکنان سے خاص طور پر یہ امید رکھوں گا کہ وہ خود کو ان خصوصیات کا حامل ہاں میں گے جس کا ذکر اس کتابچے میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ صحیح سمت میں دین کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سید عامر نجیب

۱۵- اکتوبر ۲۰۰۱ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## پہلا باب

### دین کے لیے جدوجہد ایمان کا تقاضہ ہے

کیا کوئی مومن گردو پیش کے حالات سے لا تعلق رہ سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہی ہم پر یہ واضح کر سکتا ہے کہ آیا اسلام نے اپنے مانے والوں پر صرف ذاتی حوالے سے ہی ذمہ داریاں عائد کی ہیں یا معاشرے اور اسکے لوگوں کے لیے بھی وہ اپنے مانے والوں کو متحرک اور فعال کرتا ہے؟ اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے ہمیں کوئی غیر معمولی علم اور جستجو کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کو سرسری طور پر بھی جانے والا کوئی شخص باہمی اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اسلام ایک فرد سے اصلاح ذات کا مطالبہ کرنے کے ساتھ ساتھ ایک فعال اور سرگرم داعی اور ایک خدمت گار فلاحت کارکن سننے کا بھی مقاضی رہتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں اللہ رب العالمین نے آخرت میں فلاح پانے والوں کی ایک یہ بھی خصوصیت بیان فرمائی:

”تم میں سے ایک جماعت ضرور ایسی ہوئی چاہیے کہ جو لوگوں کو بھلائی کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں“

(آل عمران آیت ۱۳۰)

ہر دور کے مفسرین اس آیت سے امر بالمعروف و نهى المنکر کے کام کے واجب ہونے کی ولیل پکڑتے ہیں بلکہ بعض علماء نے اسے قیام دین کا ستون قرار دیا۔ لازمی بات ہے کہ کوئی مومن اس ذمہ داری سے فرار کی را ہیں تلاش نہیں کر سکتا اور مومن کا اس فریضہ کی اوایلیں کے لیے چوکس رہنا ہی اس بات کی ولیل ہے کہ وہ حالات حاضرہ سے لا تعلق رہ سکتا۔ معاشرے میں اس کا کردار ایک داعی، مبلغ اور مصلح کا ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ فلاحت کارکن

کے روپ میں بھی نظر آتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیرا الناس من ينفع الناس

لوگوں میں بہتر وہ ہیں جو دوسرے لوگوں کو فائدہ پہچانے والے ہوں۔

الذَا اَيْكَ مُؤْمِنٌ اَنْتَنَىْ اَنْتَ كَوْدُو سَرَّ لَوْكُوْنَ كَلِيْ فَائِدَهْ مِنْدَهْ بَاتَتَهْ دَوْسَرُونَ كَدَهْ تَكْلِيفَ مِنْ كَامَ آتَتَهْ اَپَنِيْ ذَاتَهْ سَرَّ لَوْكُوْنَ كَوْنَفَعَ پَهْنَجَانَهْ كَيْ كَوْشَشَ كَرَتَاهْ بَهْ۔

گردوپیش کے حالات سے لا تعلقی باطل مذاہب میں رہبانت کی صورت میں موجود ہے بلکہ انکی نہ ہی تعلیمات کے مطابق ایمان کا بلند ترین درجہ ہے لیکن دین اسلام کے سچے پیغمبر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اسلام میں رہبانت کا کوئی وجود نہیں ہے اسی لیے حالات حاضرہ سے تاوافت گردوپیش کے حالات سے لا تعلق اور معاملات زندگی سے بے نیاز گوشہ عافیت میں بیٹھا اللہ ہو، اللہ ہو کرنے والا کوئی شخص درست دینی فہم نہ رکھنے والوں کے نزدیک تو شاید برا احتیٰ پر ہیز گار بلکہ ولی اللہ ہو سکتا ہے لیکن اسلامی تعلیمات کسی بھی درجے میں ایسے شخص کی کوئی پریاری کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اسلام دنیا کے تمام معاملات میں رہنمائی کرنے والا دین ہے دوسرے لفظوں میں اسلام کسی معاشرے کے وجود میں خون کی طرح دوڑنے کے لیے آیا ہے وہ زندگی کے ہر معاملے میں صحیح اور غلط کی پہچان کرتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ واپسے بے حس شخص کو اپنا آئینہ میں قرار دے جسے انسان کی معاشرتی زندگی سے کوئی دلچسپی نہ ہو خواہ وہ انفرادی عبادات کے معاملے میں غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔

ایسا شخص بھی اسلام کا آئینہ میں معاشرے میں جکا کردار ایک خود غرض آدمی کا کردار ہو جس کی تمام سرگرمیاں اسکی اغراض کا طواف کرتی ہوں۔ جو اپنے ماں باپ بھیں بھائیوں بھوپی بچوں، رشتے داروں محلے والوں اور اپنے علاقے و ملک کے لوگوں کے ساتھ ایک بھرپور معاشرتی زندگی گزار رہا ہو اپنی کوشش سے اپنا رزق حاصل کر رہا ہو انفرادی عبادات کی اوایلیگی بھی کر رہا ہو لیکن اس سب کے باوجود اسکا کردار ایک خود غرض آدمی کا

کردار ہو۔ جو معاشرے سے اپنے حقوق سے بھی کچھ زیادہ حاصل کر رہا ہو لیکن اسے کچھ دے نہ رہا ہوا اسکی تمام توجہ اور انہماں صرف اپنے مفادات کے حصول کی طرف ہو۔ معاشرے کے حوالے سے اسکی دینی ذمہ داریاں کیا ہیں اسکے ملی و ملني مفادات کس میں ہیں ان موضوعات سے اسے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ معاشرے کے لیے ایسا شخص ایک بے حس اور سخت دل رکھنے والا وجود ہے لوگوں کی گمراہی دیکھ کر اسکا دل نہیں کڑھتا، مظلوموں کا درد اسے اپنے دل کے کسی گوشے میں محسوس نہیں ہوتا، شرک و بدعتات کی بہتان اس میں کوئی اضطراب اور بے چینی پیدا نہیں کرتی۔ اسکی دینداری صرف ذاتی عبادت تک محدود ہے وہ بھی مشینی اور بے روح شکل میں۔ اسے فکر ہے تو صرف اپنے معاش، کی اسے سوچ ہے تو صرف اپنی دنیا بانے کی۔ حق و باطل کی کشمکش میں وہ ایک خاموش تماشائی ہے۔ خیر و شر کی ازی جنگ میں وہ ایک غیر جانبدار فریق ہے۔ بتائیے اسلام ایسے شخص کی دینداری کو کیا مقام دے جس کی زندگی کے ابھینڈے میں آخرت سفرست نہ ہو اسکا قلبی رجحان حصول دنیا کی طرف مائل ہو۔ اسکا جھکاؤ اپنی مادی ضرورتیں بلکہ تیغشات کے حصول کی طرف رہتا ہو۔

اسلام کا آئینہ میل تو مرد مومن ہے۔ وہ مرد مومن جو نرم دل نرم مزان اور حساس۔ لوگوں کی گمراہی پر جلنے اور کڑھنے والا۔ وہ انفرادی اصلاح پر اپنی بھرپور توجہ دینے کے ساتھ ساتھ معاشرے کا سرگرم مبلغ اور بے لوث فلاحی کارکن بھی ہوتا ہے۔ وہ اس دنیا میں جاری خیر و شر کی جنگ سے قطعی لا تعلق نہیں ہوتا اگر وہ بہت بڑا عملی کردار نہ بھی او اکر سکے تو بھی اسکے دل کی تمام ہمدردیاں خیر کی قوتوں کے ساتھ ہوتی ہیں اسکی دعائیں باطل کے مقابلے میں حق والوں کے لیے مد طلب کیے بغیر پوری نہیں ہوتیں۔ وہ گمراہوں کی اصلاح کے لیے اپنے کو مضطرب اور بے چین کئی رکھتا ہے اللہ کا پیغام ان تک بچانے کی کوششوں میں آگے بڑھ کر حصہ ذاتی ہے جو برائی سے روکنے اور بھلائی کا حکم کرنے میں خل سے کام نہیں لیتا۔ مومن تو قرآنی کردار کا حامل ہوتا ہے اور قرآن تو پورا کا پورا اہدایت اور تمام معاشرتی امراض کے لیے شفابے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی صفات کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں۔

”لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بھماریوں کی شفایا اور مونوں کے لیے ہدایت و رحمت آپنی ہے۔  
(سورہ یونس آیت نمبر ۷)

اور یقیناً جن لوگوں کا کردار قرآن کے رنگ میں رنگ جاتا ہے وہ سرپا نصیحت اور روحاں پیماریوں کے معانع کو جانتے ہیں۔

قرآن مجید حق و باطل کی کشمکش کے دوران تازل ہوا ہے لہذا اس کشمکش کا پورا عکس یہ ہوئے ہے۔ عقیدے کی حدث ہو یا سایہ انبياء کے واقعات مونوں کو وعظ و نصیحت ہو یا عام لوگوں سے خطاب اسی طرح پہلا پارہ ہو یا آخری پارہ قرآن مجید میں ہر ہر مقام پر کسی کشمکش کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک وہ عقیدہ ہے جو قرآن کو مطلوب ہے اور ایک وہ عقیدہ ہے جسکی تردید قرآن کر رہا ہے۔ ایک وہ اخلاق و کردار ہے جو قرآن کو مطلوب ہے اور ایک وہ اخلاق و کردار ہے قرآن جسکی نہ مت کر رہا ہے۔ ایک وہ راستہ ہے جو قرآن کی نظر میں سیدھا راستہ ہے اور دوسرا وہ راستہ ہے جسے قرآن گمراہی کا راستہ قرار دے رہا ہے۔ کچھ اعمال کو قرآن اللہ کے پسندیدہ اعمال بتاتا ہے کچھ کو ناپسندیدہ، قرآن ہی بتاتا ہے کچھ لوگوں کے لیے کامیاب ہے کچھ کے لیے ناکامی پکجھ لوگ جنتی ہیں کچھ جنمی الغرض عقیدہ و فکر سے لیکر اعمال تک اور زندگی کے تمام معاملات سے متعلق قرآن ہمیں صحیح و غلط کی پہچان کرتا ہے یہی دراصل کشمکش ہے اور جب قرآن پاک میں خیر و شر کی استقدار کشمکش اور مستقل جنگ ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن کو مطلوب کردار رکھنے والے کسی شخص کی زندگی اس قسم کی کسی کشمکش سے خالی ہو اور وہ خود غرضی یا بے حسی اور گوشہ نشینی کی زندگی سر کر رہا ہو۔

قرآن مجید نے انبياء اور انکے ماننے والوں کی زندگی کا جتنا تزکرہ کیا ہے اس سے یہ اندازہ ہے کہ انکے زندگی پورے معنوں میں ایک بھرپور تحریکی زندگی تھی انبياء ایک ایسی تحریک لیکر اٹھتے تھے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کراتی انھیں توحید کا سبق یاد دلاتی اسکے سامنے آخرت کا نظریہ پیش کر کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف دعوت دیتی۔

انبیاء کی زندگی کے کچھ قرآنی والے پڑھنے اور پھر ذرا سوچیے کہ حق و باطل کی کشمکش سے لا تعلق رہنے والے دینداروں کی کیوں تکریزِ ربانی کی جاسکتی ہے  
 قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی صراحة فرمائی ہے کہ تمام انبیاء ایک ہی دین یا ایک دعوت لیکر مبووث ہوئے سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۹۲ میں فرمایا:  
 ”یہ ہے تم سب کا دین ایک ہی دین اور میں تم سب کا پروار دکار  
 پس تم میری ہی عبادت کرو۔“

اُن کیف ”اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں“ یعنی یہ شریعت جو میان ہوئی تم سب کی متفق علیہ شریعت ہے جس کا اصلی مقصد توحیدِ اللہ ہے۔ اپنے موقف کی تائید میں اُن کیف ”نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی نقل کیا کہ ”ہم انبیاء کی جماعت ایسے ہے جیسے ایک باپ کے فرزند کہ دین سب کا ایک ہے یعنی اللہ وحده لا شریک کی عبادت اُگرچہ احکامات شرع مختلف ہیں۔“

قرآن مجید میں جن مختلف انبیاء کا تذکرہ فرمایا گیا ان سب کی دعوت ایک ہی بتائی گئی کہ ہم نے فلاں بنی کوفلاں قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے اپنی قوم کو یہ پیغام دیا مثلاً:  
 ”اور ہم نے قوم عاد کی طرف اسکے بھائی ہود کو بنی هما کر بھیجا انہوں نے قوم کو پیغام دیا کہ اسے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمہارا کوئی معبد نہیں۔“ (سورۃ هود آیت ۵۰)

تقریباً تمام انبیاء کے تذکرے میں اُنکی دعوت کو ان ہی الفاظ میں بیان کیا گیا۔ اور پھر جس نبی نے جس دور میں جس قوم کے سامنے بھی یہ دعوت پیش کی وہاں ایک کشمکش کا آغاز ہو گیا۔ انبیاء اور اُنکی دعوت قبول کرنیوالے اللہ کے وجود اور اسکی توحید کے مضبوط دلائل دیتے رہے اور دوسری طرف باغی اور سرکش با اثر افراد اور اُنکی قیادت کو تسلیم کرنیوالے جھوٹ پر و پیگنڈے اور غیر متعلق اور بودے دلائل لیکر انبیاء کے خلاف سرگرم ہو گئے۔  
 مثلاً جب ہود نے اپنی قوم کے سامنے اللہ کا پیغام رکھا تو مضبوط دعوت اور ٹھوس دلائل

کا کوئی علمی جواب نہ من پڑا تو محض الزامات لگانا شروع کر دیئے۔ انکو قوم کے ہڈے بڑے سردار کرنے لگے۔

”تم تو ہمیں بیو توف نظر آتے ہو اور ہمارا یہ بھی گمان ہے کہ تم جھوٹے ہو۔“ (سورہ الاعرف آیت ۲۹)

”کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور اپنے ان معبودوں کی عبادت چھوڑ دیں جنکی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے اگر تو سچا ہے تو ہم پر وہ عذاب لے آ جکا تو وعدہ کرتا ہے۔“ (سورہ الاعرف آیت ۷۰)

”انہوں نے کہا کہ اے ہود تو ہمارے پاس کوئی نشانی تو لایا نہیں ہم تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے اور نہ تجھ پر ایمان لاسکتے ہیں اور بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تجھے برائی کے ساتھ آسیب پہنچایا ہے۔“ (سورہ حود آیت ۵۳)

ہر دور میں کفر و اسلام کی یہ کشمکش بیدر تجھ بڑھتی رہی پہلے پہلے انبیاء کا انکار کرنے والے مذکورہ پر پیگینڈے اور کمزور دلاکل کے ساتھ انبیاء کو ہاکام کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن جب کامیاب نہ ہوئے اور انبیاء کی جدوجہد بار آور ہونے لگی تو وہ دھونس دھمکیوں اور تشدد پر اتر آئے اور ہود کو کہنا پڑا کہ

”تم میرے خلاف جو چالیں چلانا چاہو چل لو اور پھر مجھے زرا مملت ندو بے شک میں تو اللہ پر توکل کرتا ہوں جو میر اور تمہارہ پروردگار ہے۔“ (سورہ حود آیت ۵۵)

قرآن مجید کے دل سورہ ہلس کے دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمیں ’پیغمبروں کا تذکرہ کیا ہے اس تذکرے میں محسوس کیجیے کہ اپنی قوم کے ساتھ انکی کشمکش میں بیدر تج شدت پیدا ہوئی پہلے زبانی کلامی روکنے کی کوشش اور پھر دھونس دھمکیوں اور تشدد کے

ذریعے دعوت حق نہ کرنے کی سازش ملاحظہ فرمائیے۔

”اے نبی! اتنے سامنے ایک بستی والوں کا حال بیان کیجئے جبکہ وہاں رسول آئے ہم نے پسلے تو اتنے پاس دور رسول بھی ان لوگوں نے انھیں بھٹلایا تو ہم نے اگلی تائید ایک تیرے رسول سے کی تھیں نے کہا کہ ہم یقیناً تم تھاری جانب اللہ کے بھی ہوئے ہیں بستی والوں نے جواب دیا تم تو ہم جیسے ہی انسان ہوئی الواقع اللہ رحمان نے تو کچھ بھی نازل نہیں کیا تم قطعاً جھوٹ بول رہے ہو رسولوں نے کہا کہ ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہم تم تھاری طرف اسکے رسول ہی ہیں اور ہمارے ذمہ تو کھلا کھلا پیغام پہنچا دینا ہی ہے۔ وہ کہنے لگے ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اگر تم اب بھی باز نہ آئے تو یقیناً مانو کہ ہم پتھروں سے تم تھارا کام تمام کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے عکسیں سزا دی جائیں گے۔ رسولوں نے جواب دیا تم تھاری نخوست تو تم تھارے ساتھ ہی ہے کیا یہی نخوست ہے کہ تمہیں سمجھایا گیا ہے اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ کسی حد پر قائم ہی نہیں ہو۔“

اس قوم کا تشدد اتنا بڑھا کہ رسولوں کی حمایت میں آواز بلند کر دیوں اے اور رسولوں کی ایجاد کی دعوت دینے والے ایک موافق شخص کو انھوں نے قتل کر دیا اس خوش نصیب شخص کا مذکورہ بھی اس سورت میں موجود ہے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر جو فرد جرم لگائی ان میں سے ایک یہ جرم بھی گنوایا کہ

وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَعْبَرُونَ الْحَقَّ ط  
یعنی وہ انبیاء کے حق قتل میں بیباک ہو چکے تھے

اس آیت کی تفسیر میں مولانا عبدالکریم اثری اپنی تفسیر عروۃ الوثقی میں لکھتے ہیں۔ ”ہر نبی کی زندگی کا مقصد وحدت اپنی امت کی اصلاح و تجدید ہوتی تھی وہ اپنے ساتھ ایک تحریک

لیکر آتا تھا اس کو کامیاب بنانے کے لیے اپنی تمام سعی و کوشش و قوف کر دیتا تھا۔ مخالفین اگر اسکی زندگی کے درپے ہوتے تو ایسے نہیں کہ انھیں اسکے خون اور گوشت کے ساتھ دشمنی ہوتی تھی بلکہ اس لیے کہ نبی کے وجود سے وہ تحریک قائم ہے اگر اسکو جان سے مار ڈالیں گے تو ضرور وہ تحریک بھی فنا ہو جائیگی۔

گویا انبیاء کی زندگی میں حق و باطل کی کشمکش اسقدر شدت اختیار کر جاتی تھی کہ قرآن گواہی دے رہا ہے کہ بد مخت اور کافر قومیں اپنے انبیاء کو قتل کرنے سے بھی دربغ نہیں کرتی تھیں۔ اور لازمی بات ہے اس قتل سے انکا مقصود صرف یہ ہوتا تھا کہ کسی طرح اصلاح احوال کی یہ تحریک ختم ہو جائے جو ان انبیاء نے شروع کی ہوتی ہے۔

بشر کیم کے ستائے ہوئے مسلمان جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت لیکر آتے تو آپ انھیں صبر کی تاکید کرتے اور فرماتے ”بس ابھی سے گھبرائٹے سنو تم سے اگلے موادھوں کو پکڑ کر انکے سروں پر آرے رکھ دیئے جاتے تھے اور چیر کے نھیک دو بلکہ کر دیئے جاتے تھے لیکن وہ توحید و سنت سے نہ بٹتے تھے لوہے کی لگنگیوں سے انکے گوشت نوچے جاتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں چھوڑتے تھے۔“ نبی علیہ السلام کے اس فرمان کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے

”کیا تم یہ گمان کئیے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے انھیں یہ ماریاں اور مصیبتوں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اسکے ساتھ کے ایماندار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئیں؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔“ (البقرہ آیت ۲۱۲)

جنت کا حصول جو ایک مسلمان کی سب سے بڑی خواہش ہے مشروط ہے اللہ کی راہ میں آزمائے جانے سے تکلفوں اور مصیبتوں سے اون کثیر“ اس آیت کی تفسیر میں یہاں تک لکھتے ہیں کہ ”آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزو نہیک نہیں ہے۔ اگلی امتوں کا بھی امتحان لیا

میں بھی پہماریاں مصیبتوں پہنچیں ان پر دشمنوں کا خوف اسقدر طاری ہوا کہ کانپنے لگے۔ ان تمام امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت کے دارث بنے۔ ”مذکورہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنت کا حصول اتنا آسان نہیں جتنا کہ سمجھ لیا گیا ہے اسکے لیے بڑی مشکلات و مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ وہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو آزماتا ہے جیسا کہ سورہ عنكبوت کی اہم ایں بھی اللہ کی اس سنت کا تزکرہ فرمایا

”کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اتنے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انھیں بغیر آزمائش ہی چھوڑ دینگے۔ حالانکہ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ہم نے انھیں بھی آزمائش میں ڈالا تھا یقیناً اللہ تعالیٰ انھیں بھی جان لیگا جو حق کرتے ہیں اور انھیں بھی معلوم کر لیگا جو جھوٹے ہیں۔“ (العنکبوت)

اس آیت کی تفسیر میں ان کثیر ”کہتے ہیں کہ“ یہ ناممکن ہے کہ مومنوں کو بغیر امتحان لیے چھوڑ دیا جائے۔

اس موضوع کی ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ ہم آزمائش کے زریعے یہ بھی دیکھنا چاہجے ہیں کہ اسکے راستے میں اسکے دین کی سر بلندی کے لیے کون جماد کرتا ہے اور کون اس راستے میں آنے والی آزمائشوں اور تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔ فرمایا

”کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والا کون ہے اور صابر کون ہے۔“

آگے چلنے سورہ عنكبوت کی آیت نمبر ۵ میں نفاق زدہ لوگوں کی نشانی بتائی گئی ”بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کرتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل ان پر پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ کا عذاب سمجھ لیتے ہیں، ہاں اگر اللہ کی مدد آجائے تو پکار اُنھتے ہیں

کہ ہم تمہارے ساتھی ہی ہیں۔“

یہ آیت آپ کی توجہ طلب کر رہی ہے یہ آیت بھی آپکو ترغیب دلاتے گی کہ آپ اللہ کے راستے میں جدو جد کے لیے نکلنے کیونکہ یہ ایمان کا تقاضہ ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ منافق لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کا ثبوت دینے کے لیے طوها و کرہا اللہ کے راستے میں نکل بھی کھڑے ہوتے ہیں لیکن اس راہ میں جب حسب معمول کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا عذاب آگیا ہے لیکن ایسے موقع پر جب اللہ کی مدعا ایمان والوں کے لیے پہنچ جائے تو فوراً الوٹ آتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھی ہیں۔ زرا سمجھتے کہ کسی اجتماعی عمل اور جدو جد کے دوران انھیں تکلیف پہنچی ہے اور اللہ کی مدعا سے جب مخالفین کے مقابلے میں مومنوں کا پڑھ بھاری ہو گیا تو اس موقع پر منافقین کا رجوع کر لیتا اور مسلمانوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں کیا اس بات کی علامت نہیں کہ یہ خیر و شر کی کسی کشکش کے دوران کا واقعہ ہے۔ آخر مسلمانوں کو اللہ کے راستے میں نکلنے کی ضرورت کیا تھی گھروں میں بینے اتفاقاً دی عبادات پر گزارہ کر لیتے اس طرح نفاق کی علامت بھی ظاہر نہ ہوتی۔ وجہ یہی ہے کہ اللہ کے دین کے لیے جدو جد کرنا اُنکے نزدیک ایمان کا تقاضہ تھا اُنکے بغیر ایمان کا دعویٰ ہی مشکوک تھا۔

لام مسلم اس باب کے تحت کہ ”بری بات سے منع کرنا ایمان میں داخل ہے“ حدیث لاتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص تم میں سے کوئی منکر کام دیکھئے تو اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے۔ یہ سب سے کم درجے کا ایمان ہے۔ ”لام نو دی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں“ امر بالمعروف و نهی عن المنکر کا کام عرصہ دارز سے متrodک ہو گیا ہے اور جو کچھ باقی ہے وہ نہایت کم ہے حالانکہ یہ ایسا بڑا باب تھا جس پر دین کا مدار تھا اور جب برائیاں بہت پھیلیں گی تو عذاب الٰہی عام ہو گا نیک اور بد پر اور جب لوگ ظالم کو ظلم سے ن روکیں گے تو اللہ تعالیٰ سب کو عذاب میں بٹلا کر دیگا۔“

امر بالمعروف ونهي عن المنكر (آل عمران آیت ۱۰۳) والی آیت جو او پر گزر چکی ہے کی تفسیر میں ان کثیر لکھتے ہیں۔ ”یہ یاد رہے ہر مسلمان پر تبلیغ حق فرض ہے لیکن ایک جماعت تو خاص اس کام میں مشغول رہنی چاہیے۔“

یہود و نصاریٰ کے علماء کے کردار کی نہ ملت اللہ تعالیٰ نے اس پہلو سے بھی فرمائی ”انھیں ائکے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بیشک بہت بر اکام ہے جو یہ کر رہے ہیں۔“ (سورہ المائدہ آیت ۶۳)

بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ کی زبانی لعنت کی گئی اور اس لعنت کی وجہ قرآن مجید میں یہ بتائی گئی کہ ”وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ آپس میں ایک دوسرا کے کاموں کے جوہ کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت بر احتا۔“ (المائدہ ۷۹)

نہ کوہہ آیات اس بات پر دلیل ہیں کہ مومن کی ذمہ داری صرف اپنی اصلاح اور انفرادی عبادات پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ تبلیغ دین بھی اس پر فرض کی حد تک ضروری ہے اور یہ اتنا اہم کام ہے کہ بنی اسرائیل کو اس ذمہ داری کی عدم ادا بیکی کی بناء پر ملعون قرار دیا گیا یقیناً بنی اسرائیل ایمان کا دعویٰ بھی کرتے تھے اور ایک حد تک اللہ کی عبادات بھی کیا کرتے تھے لیکن تبلیغ دین کے کام سے رکنے کی وجہ سے وہ لعنت زده نہیں رہے اور آج مسلمانوں میں ایسے لوگوں کو کوہی اللہ کا درجہ دیا جاتا ہے جو گوشہ نشین ہو کر اللہ ہو اللہ ہو کر رہا ہو اور تبلیغ دین کے لیے اسکی کوئی سرگرمی نہ ہو۔

دیگر انبیاء کی زندگیاں تو اتنی تفصیل کے ساتھ ہمارے پاس موجود نہیں لیکن ہمارے پیارے نبی آخر الزماں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توبوت والی پوری زندگی ہمارے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہیں۔ آپ نے اللہ کے دین کی تبلیغ اور اسکی سر بلندی کی جدوجہم

میں سخت تکالیف برداشت کیسیں نبوت والی زندگی کا ایک ایک دن اسی جدوجہد میں گزرانہوت  
ملئے کے بعد آپ نے صرف انفرادی عبادات پر اکتفا کیوں نہیں کر لیا اور آپ کے صحابہ  
ایمان قبول کر لینے کے بعد گھر دل میں کیوں نہیں بیٹھ گئے؟ ظاہر ہے یہ جدوجہد انبیاء کے  
فرائض میں شامل تھی جیسا کہ اہمدائی وحی میں ہی اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو اسکا حکم دیا  
تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَإِنَّ رَبَّكَ

اے کپڑا الوڑھنے والے کھڑا ہو جا اور ڈر (سورہ مدثر آیت ۲۱)

اور آپ پر جو لوگ ایمان لیکر آئے وہ بھی اس وجہ سے گھر پر نہیں بیٹھ کر وہ ایمان کے  
نقاضوں کو سمجھتے تھے وہ جان گئے تھے کہ محض انفرادی عبادات آخرت میں نجات کے لیے  
کافی نہیں ہیں۔ انہوں نے قرآن کی اس پاکار پر لبیک کہا

اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہیں جاؤ (سورہ صفحہ ۱۳)

اللہ کے دین کی مدد کرنے اور اسکے فروع اور غلبے کے لیے جدوجہد کرنے کی زمہ داری  
اتی ہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو متنبہ کر دیا تھا کہ اگر تم نے یہ زمہ داری ادا کی تو پھر  
ہمارے عذاب کے لیے تیار رہو۔ فرمایا:

”(اے پیغمبر) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے مال باپ اور بیکن اور بھائی بعد  
اور بیویاں اور دیگر تمام رشتے دار اور وہ مال جو تم کماتے ہو اور تجارت  
جسکے نقصان کا خوف لگا رہتا ہے اور وہ مکانات و محلات جو تمہیں بہت  
پسند ہیں کیا یہ سب چیزیں اللہ اسکے رسول اور اسکی راہ میں جدوجہد  
سے زیادہ محبوب ہیں (اگر ایسا ہے تو پھر) پس انتظار کرو یہاں تک کہ  
اللہ تمہارے لیے (عذاب کا) حکم فرمائے اور اللہ فاسقتوں کو ہدایت  
نہیں دیتا۔“ (سورہ التوبہ آیت ۲۲)

اور سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵۳ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے ایک

دوسرے انداز میں اس جدوجہد کی اہمیت بتائی فرمایا:

”اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہو گی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی نرم دل ہو گئے مسلمانوں پر اور تیز ہونگے کفار پر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے۔“

اب بتائیے کہ ان آیات کی موجودگی میں اصحاب رسول جیسے اعلیٰ ایمان رکھنے والے حق و باطل کی کشمکش سے لا تعلق ہو کر چین سے بیٹھ سکتے تھے۔ وہ اصحاب رسول جو اللہ کے رسول کی سنتیں ضائع نہیں ہونے دیتے تھے کیا خود اللہ کے احکامات کو نظر انداز کر سکتے تھے؟ یہ وجہ ہے کہ ان اصحاب نے دین کے دفاع، فروع اور غلبے کی جدوجہد میں ایسا درود قربانی کی وہ وہ مثالیں قائم کیں، جرات اور شجاعت کے وہ وہ باب رقم کئے کہ تاریخ انسانی اس قسم کی دوسری مثالیں دینے سے عاجز نظر آتی ہے۔ وہ اصحاب رسول جن کی جدوجہد بے لوثی اور بیهادری کو علامہ اقبال نے اس طرح خراج تحسین پیش کیا

اُنی یہ تیرے پراسرار ہندے  
جنسیں تو نے بخشنا ہے ذوقِ خدائی  
دو نیمِ اکنی ٹھوکر سے صحراء دریا  
ست کر پہاڑِ اکنی بہت سے رائی

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو  
عجب چیز ہے لذتِ آشنای

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن

نہ مالِ غنیمت نہ کشورِ کشانی

اور مولا ناطافِ حسین حالی نے دین کے لیے اصحاب رسول کی فعالیت اور غیر معمولی

سر گرمی کو اس انداز میں بیان کیا  
 سدا انکو مرغوب سیر و سفر تھا  
 ہر اک برا عظم سے انکا گزر تھا  
 چھانا ہوا ان کا بخوبی تھا  
 جو لنکا میں ذیرہ تو بمن میں گھر تھا  
 وہ نکتے تھے یہاں سفر اور وطن کو  
 گھر اپنا سمجھتے تھے ہر دشت و در کو  
 اور پھر ایمان والوں کے مزاج شناس شاعر نے کہا تھا۔  
 جمال میں الہ ایمان صورت خور شید جیتے ہیں  
 ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

مشهور واقعہ ہے غزوہ تبوک کے موقع پر جب تین صحابہ کعب عن مالک، بلال بن امیہ اور  
 مرارہ بن ریحہ رضی اللہ عنہم بغیر کسی شرعی عذر مخفی سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک کے لیے  
 نہیں نکل سکے تھے بی علیہ السلام نے واپسی پر اللہ کے حکم سے انکا حاصہ کیا اور سزا کے طور پر  
 انکا سو شل بایکاٹ کر دیا مسلمانوں کا کوئی شخص ان سے بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھا یہاں  
 تک کہ کعب عن مالک فرماتے ہیں کہ وہ پڑوس میں رہنے والے پچڑا دھماکی سے بات کرنے کی  
 کوشش کرتے تو وہ بھی کسی بات کا جواب دینے کے لئے تیار ہوتے وہ دن ان تینوں اصحاب پر  
 نہایت گرائ گزرے انکا جرم کیا تھا؟ کیا انہوں نے نماز پڑھنے روزے رکھنے اور ذمہ دینے  
 سے انکار کر دیا تھا؟ یقیناً نہیں انہوں نے صرف لمحات میں سستی کی تھی حالانکہ دل سے ~~بخل~~  
 کرنا چاہتے تھے نیت ~~بخل~~ صاف تھی بس ذرا سستی لیکن اس سستی پر بھی اللہ کے رسول نے انکا  
 بایکاٹ کیا اور یہ بایکاٹ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُنکی برآمدت ہاصل  
 نہ فرمادی۔

سورۃ العصر جسے قرآن کا اختصار بھی کہا جاتا ہے میں اللہ تعالیٰ نے خوارے سے پعنہ والوں

کی چار صفات کا ذکر فرمایا ہے۔

”عصر کی قسم اب شک انسان تقصیان میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔“

لام شافعی اس سورت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”اگر لوگ اس سورت کو غور و تدبر سے پڑھیں تو صرف یہی ایک سورت ہدایت کے لیے کافی ہے“ اس سورت سے پھر واضح ہوا ہے کہ اخروی خسارے سے بچنے کے لیے صرف انفرادی اصلاح کافی نہیں ہے بلکہ اس عظیم مقصد کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان حق بات کی تبلیغ اور وصیت کی ذمہ داری بھی ادا کرے اور سفر زندگی میں جن مصائب اور مشکلات کا سامنا کرتا پڑے اس پر نہ صرف خود صبر کرے بلکہ دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتا رہے۔

قرآن مجید میں سابقہ اقوام کے عروج ذوال کا بھی جگہ جگہ ذکر ملتا ہے۔ سورہ ہود کی آیت نمبر ۱۱۶ میں ایسے لوگوں کی تحسین اور نجات کی خوشخبری دی گئی جو بگاڑ کے دور میں اصلاح کے لیے کام کرتے تھے فرمایا۔

”تو جو امتیں تم ت پلے گزر پچلی ہیں ان میں ایسے ہو شمند کیوں نہ ہوئے جو ملک میں خراہی کرنے سے روکتے ہاں (ایسے) تھوڑے سے (تھے) جن کو ہم نے ان میں سے مخلصی بخشی اور جو ظالم تھے وہ انی باتوں کے پیچھے لگے جن میں عیش و آرام تھا اور وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔“ (سورہ ہود آیت ۱۱۶)

اس آیت کی رو سے فتنہ و فساد کے دور میں عقائد وہی لوگ ہیں جو فساد کو روکنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح اور دین کی طرف لانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب بگاڑ میں بتلاکی توم کے لیے بارگاہِ الہی سے عذاب کا حکم صادر ہوتا ہے تو ایسے ہی لوگوں کو نجات بخشی جاتی ہے۔ اور پھر اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ظالم لوگوں کی نشانی یہ بتائی کہ وہ

عیش و آرام کے حریص ہوتے ہیں اور صرف ان ہی نظریات کے پیروکار بننے ہیں جن میں عیش و آرام کی ترغیب ملتی ہو اور ہر اس دعوت کو محکراویتے ہیں جو ان پر پابندیاں لگائے اور ان پر کچھ ذمہ داریاں عائد کرے۔

الغرض قرآن مجید کی آیات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کی زندگی کے روز و شب اور صحابہ اکرمؐ کی زندگیاں اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ مومن کی زندگی حق و باطل کی سکھی سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اسلام نے انفرادی اصلاح کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ معاشرے اور دین کے حوالے سے بھی کچھ ذمہ داریاں عائد کی ہیں اور یہ ذمہ داریاں اتنی اہم ہیں کہ انکی عدم ادا یعنی کی وجہ سے پوری پوری قومیں تباہ ہو جاتی ہیں دین کا قیام ممکن نہیں رہتا اس معاملے میں غیر ذمہ داری قوموں کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے اور افراد کی نجات بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ مذکورہ آیات ان لوگوں کے لیے زبردست تنبیہ ہیں جو دین کی تبلیغ اور غلبے کی جدوجہد کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور نہ صرف خود عملاء کی جدوجہد میں شریک ہونے سے گریز کرتے ہیں بلکہ اس مقصد کے لیے میدان عمل میں نکلنے والوں کے ساتھ کسی بھی سطح پر تعاون کرنے یا کم از کم ولی ہمدردی رکھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔

اگر ہم دین کے لیے عملاء کوئی بڑا کردار ادا کرنے سے قاصر بھی ہوں تو کم از کم ہمارے ایمان کی یہ حالت ضرور ہونی چاہیئے کہ ہمارا دل لوگوں کی گمراہی پر کڑھنے والا ہو معاشرے میں پھیلا ہوادین سے بغاوت کا رجحان ہمیں اندر سے کچھ نہ کچھ مضطرب کرتا ہو خیر اور بھلائی کے جتنے کام کرنے والے لوگ ہیں ان کے ساتھ دلی ہمدردی ہو اور شعوری حالت میں انکے لیے ہمارے دل سے دعائیں نکلتی ہوں شاید یہ وہ کم از کم ایمان ہے جس کے ساتھ آخرت میں نجات کی توقع کی جاسکے۔ یاد رکھیے سخت دلی اور بے حسی کے ہوتے ہوئے ایمانداری کی خوش فہمی میں بتلامت رہئے۔

## دوسرا باب

### اسلامی انقلاب کے حوالے سے درپیش چیلنجز

صحیح علاج کا انعامدار درست تشخیص پر ہوتا ہے۔ دین کے فروع اور غلبے کی جدو جمد ہم نے جن حالات میں کرنی ہے کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ان حالات کی بہیت اور کیفیات کا صحیح اور آک ہمیں حاصل ہو۔ اس اور آک کی عدم موجودگی میں آپکی جدو جمد محض سطھی سی کوشش یادل کا بہلاوا اکھلائے گی اسکے موئیز اور نتیجہ خیز ہونے کا کوئی امکان نہیں ہو گا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے ذریعے درپیش حالات کی درست تصویر دکھاتا رہا۔ قرآن مجید میں مشرکین، اہل کتاب اور منافقین کے مزان و عادات ان کی نفیات اور انکے عزائم و ارادوں سے پوری طرح آگاہ کرتا رہا مثلاً یہود و نصاریٰ کے بارے میں بتایا۔

(اے پیغمبر) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپکو پاک اور مقدس کہتے ہیں۔ (سورۃ النساء آیت ۵۰)

(اے پیغمبر) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ وہ گر اسی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ۔ (سورۃ النساء آیت ۳۶)

”اے اہل کتاب! اب وجود جانے کے حق دباطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو؟ اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟“ (آل عمران آیت ۲۷)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا

”اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لا کا اور شام کے وقت کافر عن جاؤ تاکہ یہ

لوگ بھی پٹت جائیں اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے کسی کا  
یقین نہ کرو۔”  
(آل عمران آیت ۷۲)

الغرض اس طرز کے لاتعداد حوالے قرآن مجید سے دیئے جاسکتے ہیں جن سے پڑتے گلتے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو درپیش چیلنج سے آگہ رکھا تھا لیں کی نفیات اور انکی سازشوں سے باخبر رکھا۔ ظاہر ہے آج بھی اگر ہم اسلامی انقلاب کے لیے جدوجہد کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں درپیش چیلنج کا اور اک ہونا چاہیے ہمیں اپنے مخاطبین کے مادی و روحانی تمام امراض سے خبردار ہونا چاہیے ہمیں ملکی و مین الاقوامی حالات اور باطل قوتوں کی سازشوں انکی طاقت اور طریقہ واردات کا علم ہونا چاہیے۔

آپ خود ہی بتائیے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسان کوئی بہترین فصل اگانے اور اس سے فائدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے حالانکہ وہ فصل کی ضروریات تقاضوں اور درپیش حالات سے لا علم ہو۔ اسے نہ تو دستیاب زمین کے مزاج کا پتہ ہو اور نہ علاقے کے موسمی حالات سے واقف ہو۔ اسے نہیں معلوم کر پانی کس زریعے سے حاصل کرنا ہو گا وہ نہیں جانتا کہ اسے لیبر کمال سے میر آئیگی اور انھیں کتنی مزدوری دینا ہوگی۔ اسے منڈی کے راستوں کا علم نہ ہو اور نہ یہ جانتا ہو کہ فصل کی صحیح قیمت اسے کمال سے مل سکے گی۔ اتنی زبردست لا علمی کے ساتھ کیسے کوئی اچھی فصل اگائی جاسکتی ہے اور اس سے کیونکر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہی مثال دنیا کے ہر کام کی ہے ایسی مجرمانے بے خبری کے ساتھ کوئی چھوٹا کاروبار نہیں چلا�ا جاسکتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی عظیم اسلامی انقلاب برپا کر دیا جائے۔ آئیے زر اس صورت حال کا جائزہ لیں جس میں رہ کر ہم نے دین کے فروع اور غلبے کی جدوجہد کرنا ہے۔

عقیدے کا بگاڑا : — عقیدہ و فکر کی بنیاد پر ہی انسان اپنی عملی زندگی کی عمارت تعمیر کرتا ہے۔ عقیدہ عمل کا محرك ہے مخصوص عقیدے مخصوص اعمال کرنے پر اکساتے ہیں۔ مثلاً مشرکین مکہ نے اپنے اسلاف میں سے نیک لوگوں کے بہت بناۓ ہوئے تھے اور ان کے متعلق خدائی میں شرکت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس عقیدے کے نتیجے میں انکے اعمال کا زیادہ تر حصہ

ان رسومات پر مشتمل ہوتا تھا جو دنگا کے ان شریکوں کی خوشبوی حاصل کرنے کے لیے ادا کرتے تھے۔ اور عام زندگی میں بھی وہ اپنے ان مفرد حصہ خداوں کی غیر معتبر تعلیمات کو اتحاری کا درجہ یتے گویا اعمال کا بگاڑ کا جو عقیدے میں پایا جاتا ہے۔

اعمال یافتہ عملی زندگی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عقیدے میں موجود بگاڑ کا خاتمہ کر دیا جائے یہی وجہ ہے تمام انبیاء کرام نے سب سے پہلے اصلاح عقیدہ کو تاریخ بنایا۔ ہر نبی نے اپنی جدوجہد کے آغاز میں اپنی قوم کے عقیدے میں بگاڑ کی نشاندہی اور تردید کی اور عقیدہ توحید کی طرف انھیں دعوت دی۔ جو نبی آتا وہ اپنی قوم کو مخاطب کر کے یہی کہتا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اسکے علاوہ تمہارا کوئی الا نہیں ہے جن کو تم اللہ کے سوا پوچھتے ہو وہ تمہارے اپنے بنائے ہوئے معبدوں ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان باطل عقیدوں کی کوئی سند ناہل نہیں کی ہے جو تم اپنے ان خود ساختہ معبدوں کے لیے رکھتے ہو۔ انبیاء کرام اپنی اپنی قوموں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اسکی توحید کے دلائل دیتے اور ان کے خود ساختہ معبدوں اور عقیدوں کے جھوٹ اور کمزوریوں کو بیان کرتے اسکے ساتھ ساتھ آخرت کا عقیدہ اسکے سامنے رکھتے اور دلائل کے ساتھ یہ یقین ان میں پیدا کرتے کہ مرنے کے بعد تم نے دوبارہ زندہ ہوتا ہے اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے انبیاء صالح اعمال کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سناتے جبکہ جنہیں اور برے اعمال پر اڑ جانیوالوں کو جہنم کی آگ سے ڈراتے۔ قرآن مجید کے مطالعے سے آپکو معلوم ہو گا کہ اس میں عقیدے کی بحث اتنی زیادہ ہے کہ دیگر تمام موضوعات پر غالب نظر آتی ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء کرام کے ذکرے میں نہ کوہہ مباحث لازمی طور پر شامل ہیں۔

عقیدے کی یہی وہ اہمیت جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نہ لیے لوگوں کو منتسب کر دیا تھا کہ عقیدے کافساد کسی صورتِ معاف نہیں ہو گا۔

”یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کو ہرگز معاف نہیں کریگا کہ اسکے ساتھ شرک کیا جائے اسکے علاوہ دوسرے گناہوں کو جسلہ کے لیے چاہے گا

معاف کر دیگا اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے بڑا گناہ

(سورہ النساء آیت ۲۸)

(بِأَنْهَاكُمْ)

یعنی عقیدہ نہ صرف یہ کہ انسانی زندگی کو پوری طرح متأثر کرتا ہے بلکہ اسکی اصل اہمیت یہ ہے کہ آخرت میں نجات کا تمام تراجمدار عقیدے پر ہے اسی لیے اگر بفرض حال انسانی زندگی کے بیہت سے معاملات میں اصلاح کر بھی دی جائے جیسا کہ مغربی دنیا میں ایسا ہو چکا ہے لیکن آخرت میں نجات بہر حال اصلاح عقیدہ کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے انسانوں کی حقیقی فلاح ایکی دنیاوی زندگی کو آسان اور پر تیش بنانے میں نہیں ہے بلکہ اخروی نجات کی صورت میں ہی انسان حقیقی فلاح سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

ہماری معاشرتی زندگی اور ہمارے اعمال میں پایا جانے والا زبردست گلاز خود اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے لوگوں کے عقیدے میں عمومی طور پر گلاز پیدا ہو گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں مشرکین مکہ سے بھی کچھ بڑھ کر فساد آپکا ہے مشرکین مکہ اللہ کی ذات کے منکر ہرگز نہیں تھے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا۔

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔“ (سورہ الزمر آیت ۳۸)

اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود وہ مشرک کیوں تھے اسکیوضاحت اسی سورہ الزمر کی تیسری آیت میں اس طرح کی گئی۔

”اور جن لوگوں نے اسکے سوا اولیاء مبارکہ ہیں اور کہتے ہیں ہم ایکی عبادت صرف اسی لیے کرتے ہیں تاکہ یہ بورگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبے تک ہماری رسائی کر دیں۔“

سورہ یونس کی آیت نمبر ۱۸ میں اس عقیدے کی مزید وضاحت ہوتی ہے :

”اور اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جو نہ فحصان دیتی ہے اور نہ نفع اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔“

بشر کین مکہ کا عقیدہ قرآن مجید نے پوری طرح واضح کر دیا کہ وہ اللہ کے منکر نہیں تھے بلکہ اللہ کو مانے والے تھے اور جن ہوں کی وہ پوچھا کیا کرتے تھے وہ انکے اسلاف میں سے نیک لوگوں کے بت تھے روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بت بنا کر بھی خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ انکی عبادت کیوں کرتے ہو تو یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ اللہ ہیں بلکہ یہ کہتے تھے کہ یہ نیک لوگ ہیں اللہ نے انھیں بڑے اختیارات دیے ہیں اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں اور یہ ہمیں اللہ سے قریب کرنیوالے ہیں۔

یہ ہے وہ عقیدہ جس کی وجہ سے مشرکین مکہ اللہ اور رسول کے دشمن قرار پائے اور دنیا و آخرت میں عذاب کے مستحق تھے۔ اب ذرا اپنے معاشرے پر بھی نظر ڈالیے عقیدے میں بگاڑ کے معاملے میں مشرکین مکہ سے دو قدم آگے پائیں گے۔ وہ تو اپنے معبدوں کو صرف اللہ سے تقرب کا ذریعہ سمجھتے تھے بلکہ آج کے گلہ گو مسلمانوں نے نبی کو اتنا بڑھایا کہ خدا نہادیا۔

وہ جو مستوی تھا عرش پر خدا ہو کر  
اتر پڑا مدینے میں مصطفیٰ ہو کر  
ہمارے سرور عالم کا رتبہ کوئی کیا جانے  
خدا سے ملتا چاہے تو محمد کو خدا جانے

تمام مراسم عبودیت جو صرف اللہ کے لیے خاص تھے حتیٰ کہ نماز بھی غیر اللہ کے لیے جا لائے جا رہے ہیں۔ لوگوں کا ذہن یہ ہے کہ ایک وقت اللہ کے حق میں کسی کو رہ جائے لیکن اپنے سفارشیوں اور اللہ کے تقرب کا ذریعہ بننے والے بزرگوں کے معاملے میں کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے کیونکہ

خدا کا پکڑا چھڑاے محمد  
اور محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

اور

خدا کے پڑے میں وحدت کے سوا کیا ہے؟

جو کچھ لینا ہے لے لیں گے محمد سے

اسی لیے یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ "گیارہویں شریف" کے لیے توہر سال جانور زرع کرتے ہیں لیکن عید الاضحی پر قربانی کی انہیں توفیق نہیں ہوتی۔

یہ صور تحوال صحیح العقیدہ ان تمام گروہوں کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے جو دین کی خدمت کرنے کا کوئی بھی پروگرام رکھتے ہیں۔ عقیدہ اخلاق کی جزبے۔ اخلاق کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ عقیدے کا فساد ختم نہ ہو جائے اور اخلاق کی اصلاح سے بغیر نظام زندگی اور معاملات زندگی کی اصلاح نا ممکن ہے۔

ایسے میں وہ لوگ صحیح العقیدہ دینی گروہوں کی توجہ اور ہمدردی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں جو عقیدے کے بگاڑ میں بنتا ہیں اور انکی حخت محنتیں اور مالی و جانی قربانیاں اللہ کے ہاں نہ صرف نامقبول ہیں بلکہ اسکے لیے ابدی جہنم کا ذریعہ نہ رہی ہیں یہ لوگ قبل رحم اور قبل ترس ہیں دنیاوی طور پر انہیں محلات کا مالک ہنا کہ بھی انکی مظلومیت ختم نہیں کی جا سکتی انکی خیر خواہی کی ایک ہی حقیقی صورت ہے اور وہ یہ کہ انہیں توحید کی دعوت پہنچانے کا حق ادا کر دیا جائے۔

لیکن اس وقت صحیح العقیدہ دینی گروہوں کی ترجیحات میں اصلاح عقیدہ سر فہرست نظر نہیں آتا۔ اعمال کی صالح کی طرف تو دعوت دی جاتی ہے لیکن عقیدے کی حخت کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ سیاسی ذہن رکھنے والوں کے نزدیک اصل اہمیت تو نلبہ دین کی جدو جمد ہے جو اس جدو جمد میں ان کا ساتھ دے اس کا عقیدہ خواہ کوئی بھی ہو وہ قبل قبول ہے اسی طرح تبلیغی مکتبہ فکر میں نماز اور اعمال صالح کی طرف لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور عقیدہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اگر صحیح العقیدہ تمام مذہبی گروہ اصلاح عقیدہ کو اپنائار گٹھانیں اور اسی پر اپنے سارے وسائل اور تووانائیاں صرف کریں تو بہت تھوڑے عرصے میں جرأت انگیز نتائج

حاصل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ توحید کا عقیدہ اتنی بڑی طاقت ہے کہ دنیا میں اسکے مقابلے کی کوئی اور طاقت نہیں۔

**قوم کی اخلاقی زیوں حالی :** اسلامی انقلاب کے حوالے سے ہر دور اور ہر مقام پر داعیان انقلاب کو یہ چیلنج در پیش رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دیگر تمام چیلنجز اسی کے ضمن میں آتے ہیں۔ قوموں کی ترقی یا زوال دراصل اُنکی اخلاقی حالت پر منحصر ہوتا ہے۔ عروج اور ترقی کو دوسرے لفظوں میں اخلاقی برتری کے الفاظ سے بیان کیا جاسکتا ہے اسی طرح زوال اور پسندگی کے مقابلہ الفاظ اخلاقی پستی کے ہیں۔

اچھا اخلاق دراصل تمام اچھی صفات و عادات کا مرکب ہے مثلاً سچائی، ایمان و اری، عمد کی پاسداری، سلیقہ یا ذمہ داری، کردار و عزم اُنم کی پختگی، حقیقت پسندی، خدمت خلق کا جذبہ، علم، بے لوٹی، عدل، احسان وغیرہ ان صفات کی ضد اخلاقی پستی اور زوال کی علامات ہیں مثلاً، جھوٹ، بے ایمانی، وعدہ خلافی، بد نظمی، غیر ذمہ داری، کردار و عزم اُنم کی کمزوری، شنك نظری، بے حس، جہالت، منادا پرستی، خود غرضی، اور ظلم وغیرہ۔  
یہ ایک عام اخلاق کی بات تھی مغربی دنیا میں ان ہی اخلاقی صفات کی وجہ سے دنیا کی قیادت کر رہی ہے جبکہ اسلامی اخلاق ان تمام صفات کو اُنکی کامل اور اصل حالت میں کردار کا حصہ بنایا ہے کہ ساتھ ساتھ کئی مزید صفات کو شامل کر لینے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلامی اخلاق دراصل اللہ اور اسکے رسول کی کامل فرمابندرداری ہے اس میں صرف جزوی سچائی نہیں مانئی بلکہ سچائی جس شکل میں پائی جائے اسکی ہر شکل ماننے کے لائق ہے۔ عصمت کی حفاظت اور عبادات بھی اسلامی اخلاقی میں شامل ہیں۔ ظاہر ہے اسلامی انقلاب کے داعیوں کے سامنے چیلنج قوم کو صرف عام اخلاق کا حامل ہانا نہیں بلکہ انھیں اسلامی اخلاق کی جیتی جاتی تصویر بنانا مقصود ہے۔

اس وقت ہمارے اوپر مخاطبین یعنی پاکستانی قوم کی جو اخلاقی حالت ہے وہ اظہر من الاشکس ہے۔ جھوٹ اخلاقی یہماریوں میں جس کی حیثیت ام الامر ارض کی ہے اور جس کے

بادے میں اللہ کے نبیؐ نے ہمیں خبردار کیا تھا کہ جھوٹ سے بچو! اسلیے کہ جھوٹ فتنہ و نجور کی طرف رہنمائی کرتا ہے ایک اور حدیث کے مطابق مومن جھوٹ اور خیانت کے علاوہ تمام خصلتوں پر پیدا کیا جاتا ہے وہ جھوٹ ہماری قوم میں اس طرح عام ہو چکا ہے جیسے ہو اور پانی۔ ایک عام آدمی سے لیکر ملک کے حکمران تک صحیح و شام پورے اعتقاد کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں۔ ہمارے اویب، ہمارے شاعر، ہمارے صحافی، ہماری سول و فوجی، ہمارے کریمی، ہمارے صنعتکار ہمارے تاجر، ہمارے ملازمت پیشہ افراد، محنت کش طبقہ، ہمارے اساتذہ، ہمارے سیاستدان حتیٰ کہ محراب و منبر کے وارث ہمارے علماء کرام مسلسل اور پورے اعتقاد کے ساتھ جھوٹ بول رہے ہیں۔ وہ کوئا شعبہ ہے جو جھوٹ سے خالی ہے وہ کوئی علاقہ یا برادری ہے جسے جھوٹ کی ہماری لاحق نہیں۔ ہم اپنی نئی نسل کو جھوٹ کی تربیت دیتے ہیں۔ درسگاہوں میں جھوٹ پڑھایا جاتا ہے گھروں میں جھوٹ سکھایا جاتا ہے۔ پوری دنیا میں ہماری جھوٹ اور بد دیانتی ضرب المثل ہنگی ہے۔ کرپشن جھوٹ ہی کا ایک شعبہ ہے اس میں ہم پوری دنیا میں دوسرے نمبر پر آچکے ہیں۔ حکمرانوں سے لیکر عام آدمی تک جس کو جس قدر اختیارات حاصل ہیں وہ اسی قدر لوٹ مار، خیانت و بد دیانتی میں مصروف ہے کوئی اپنی زندگی داریوں کے ساتھ انصاف نہیں کر رہا۔ رشوت اور خیانت سرکاری مکھموں کی رگوں میں خون کی طرح گردش کر رہی ہے سرکاری مال کو مال غنیمت تصور کیا جاتا ہے۔ رشوت سفارش کے بغیر جائز کام بھی مشکل بنا دیئے گئے ہیں۔

افسوں ہم اخلاقی پستی کی ان انتہاؤں پر پہنچ چکے ہیں کہ علی الاعلان حلف بھی اٹھاتے ہیں اور پھر علی الاعلان اسکی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں۔ قرآن اٹھا کر عدالتوں میں جھوٹی شہادتیں دیتے ہیں۔ جھوٹ اخلاقی اعتبار سے وہ مملک ترین یہماری ہے جس میں ہم عجیب مجموعی آخری حد تک بتلا ہو چکے ہیں۔

انتہے بڑے پیانے پر جھوٹ، انتہے بڑے پیانے پر بد دیانتی اور خیانت انتہے بڑے پیانے پر لوٹ مار انتہے بڑے پیانے پر ظلم انتہے بڑے پیانے پر خود غرضی و مفادات پرستی انتہے بڑے

پکانے پر بے غیرتی و بے حیائی۔ کیا ہر شعبہ ہائے زندگی کے افراد کی الگ الگ اخلاقی حالت کا تذکرہ کیا جائے؟ سب کی یہماریاں یکساں سب کی شدت یکساں اپنے اپنے مقام پر ہر ایک نائل ہر ایک غیر ذمہ دار ہر ایک مفاد پرست ہر ایک بد دیانت ہر ایک جھوٹا فرمبی دھوکے باز

اللہ یہ تبرے سادہ دل ہدے کدھر جائیں

کہ درویش بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

اس دنیا کی سب سے بڑی چجائی توحید باری تعالیٰ ہے۔ بڑی حقیقت دنیا کی پاپانیداری ہے۔ ہمارے معاشرے میں شرک اور دنیا کی محبت عام ہو چکی ہے۔ آخرت کے تصورات ذہنوں سے نکل چکے ہیں۔ دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے بے نیاز ہیں کیونکہ دراصل اخلاقی پستی کے محركات ہیں۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کرنا اسکا خوف انکے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور انھیں آخرت میں جو بدد ہی کا احساس کرنا یعنی کرنے کا وہ کام ہے جس کے زریعے ہم اخلاقی پستی کے سب سے بڑے چیلنج سے نجٹ سکتے ہیں۔ اسلام کی سر بلندی کے لیے کچھ کرنا ہو تو پھر یہی کام کرنا چاہے کیونکہ اخلاقی برتری کے بغیر مادی عروج ممکن نہیں ہے۔

فلکری انتشار تنگ نظری اور انتہا پسندی :- یہ چیلنج بھی دراصل اخلاقی زیبوں حوالی کے ضمن میں آتا ہے۔ اخلاقی طور پر بدحال قوم میں ہی فلکری انتشار، تنگ نظری، انتہا پسندی جنم لیتی ہے اور یہ تینوں صفات ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزم ہوتی ہیں ایک دوسرے کی تقویت کا سبب بنتی ہیں۔

کسی معاشرے میں اختلاف رائے کا وجود لازمی ہے انسانی معاشرہ اس سے خالی ہو یہ ممکن ہی نہیں۔ اگر معاشرہ اخلاقی اعتبار سے اچھی حالت میں ہو تو اختلاف رائے معاشرے کی زندگی کی علامت ہوتا ہے اس طرح عملی زندگی میں بہتر سے بہتر رائے کو اہمیت حاصل ہو جاتی ہے اور معاشرہ اس سے مستفید ہوتا ہے۔ اسکے بر عکس اخلاقی اعتبار سے زوال پزیر معاشروں میں اختلاف رائے زبردست فلکری انتشار کی صورت اختیار کر جاتا ہے اور اس بنیاد پر قوم

گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اجتماعی طاقت پارہ پارہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ کوئی شخص کسی خاص نظر بیے اور رائے کا قائل ہو جائے تو اس کی حمایت میں استدرکثر ہو جاتا ہے اسکے خلاف رائے اور دلائل جانے کی کوشش کرتا یا ان پر غور و فکر کرنا تو دور کی بات ہے انھیں سننا تک گوارہ نہیں کرتا بلکہ بسا وفات اپنی رائے سے اختلاف کرنے والوں سے لڑنے سرنے پر تیار ہو جاتا ہے ایسے گروہوں اور افراد کی نشاندہی قرآن مجید نے بھی کی تھی کہ ”ہر گروہ خوش ہے کہ جو کچھ اسکے پاس ہے بس وہی حق ہے۔“ آج بھی فکری اعتبار سے جتنے گروہ ہیں وہ اپنے اہل حق ہونے کا یقین کیتے ہوئے ہیں اپنے نظریات پر نظر ثانی کے لیے تیار نہیں۔ نجگ نظر ایسے چیزے کویں کامیڈ ک۔ اپنے خیالات کے دائرے سے باہر جھانکنے کو تیار نہیں اور انتہا پسند ایسے کہ انہاں پر تو انکی رائے سے اختلاف کرنے والے تمام انسانوں کو زندگی کے حق سے بھی محروم کر دیں۔

آج کے دور میں دین کی کچھ خدمت کرنے کا جذبہ رکھنے والوں کو ایسے ہی ماحول کا سامنا ہے۔ پوری قوم گروہوں میں تقسیم ہو کر آپس میں ہی دست و گریباں ہے ہر گروہ اسی خوش فہمی میں جی رہا ہے کہ بس ہم حق پر ہیں اور باقی سب غلط کوئی تعصبات سے بالاتر ہو کر سچائی کا سکونج لگانے کے لیے تیار نہیں زراسو چیز۔ آپ کس طرح اپنی قوم کو فکری انتشار نجگ نظری اور انتہا پسندی کے گرداب سے نکال سکتے ہیں اور کس طرح انھیں فکری یکسوئی و سعیت نظری اور رواداری کا سبق پڑھا سکتے ہیں

عصر حاضر اور روایتی فقہ کا تصادم : علامہ اقبال نے قوموں کی زندگی کے اس بڑے چیلنج کو کس خوبصورت انداز میں بیان کیا تھا۔

آئین نو سے ڈرنا طرزِ کمن پر اڑنا  
منزل یہی کھن ہے قوموں کی زندگی میں  
وقت کا پیہہ مستقل گردش کرتا ہے اور گزرتا ہوا ہر لمحہ انسانی زندگی میں نئی نئی تبدیلیاں  
اور نئے سے نئے چیلنجز لیکر آتے ہے۔ سوچنے کے اندازدلتے ہیں رہن سس کے طور طریقے

بہ لئے ہیں سیاسی حالات تبدیل ہوتے ہیں معاشرتی اور معاشرتی حالات میں فرق پڑتا ہے دو رہنماء میں یہ تبدیلیاں اسقدر تیز رفتار ہیں کہ جن سے ہم آہنگ ہونا صرف ایک باشور ذمہ دار، متحرک اور محنتی قوم کے لیے ہی ممکن ہے۔

حالات کی تبدیلیاں قوموں کے مستقبل کو خطرے میں ڈال دیتی ہیں ہر دور میں اس قسم کے چیزیں بزرے سے نہنے کے لیے اقوام کو صبر و برداشت اور حکمت کے ساتھ اپنی بنا کی جگہ لڑنی پڑتی ہے انھیں ترجیحات کی فرست میں روبدل کی ضرورت ہوتی ہے۔ انھیں اپنے افراد کے مزاج کو نئے حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہوتا ہے نئے حالات نئی ضرورتیں لیکر آتے ہیں۔ مادی تبدیلیاں قوم کے افراد میں خنی صلاحیتوں کی مقاضی ہوتی ہیں۔ تبدیل شدہ حالات میں قوموں کو نئے سرے سے صعبہ دی کرنا پڑتی ہے نئے نئے محاذوں پر اپنی فورس لگانا ہوتی ہے۔

امیر اور غریب یہ مبار اور صحت مند، طاقتوروں کی ترجیحات اور پالیسیوں میں فرق ہوتا ہے اگر ایک غریب آدمی امیروں کا ساطر زندگی اختیار کرنے کی کوشش کرے تو اگرچہ عملہ اسکے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہو گا لیکن اسکے دکھاوے، مزاج اور رونق کی وجہ سے لوگ اسے حق اور پاگل تصور کریں گے۔ جو چادر و کیچھ کرپاؤں نہیں پھیلا تا معاشرے کے عقلمند افراد سے بیٹھ قوف کرتے ہیں۔ اس قسم کے افراد قرض لیکر دھوم دھام سے شادیاں کرتے ہیں اور پھر عرصے تک اس قرض کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ ناممکن ہے کہ ایک یہ مدار آدمی صحمند آدمی کی طرح اور ایک کمزور طاقتور کی طرح زندگی گزار سکے دل یا جانی کی یہ مدار میں بیٹلا آدمی کسی صحمند آدمی کی حرص کرتے ہوئے مرغنا غذا میں کھانا شروع کرے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ اور ایک کمزور آدمی طاقتور کی حرص میں کسی پبلوان کو لڑنے کا چیلنج کر دے تو انجام کیا ہو گا؟ سمجھنے کے لیے صرف کامن سینس کی ضرورت ہے۔ ایک دور میں محمد علی کلکا بائسٹ کے عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن رہے لیکن آج جبکہ وہ بوڑھے ہو چکے ہیں انکے ہاتھوں میں۔ کمکپاہٹ ہے اگر کسی تیرے درجے کے باکسر کو بھی چیلنج کر دیں تو کیا اسے حماقت اور خود کشی

قرار نہیں دیا جائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ زندہ رہنے بلکہ ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی حالات کے مطابق اپنے کو ڈھال لے اگر وہ مبارہ تواہکی توجہ کھانے پہنچنے پر نہیں دوایوں اور پرہیز پر ہونی چاہیئے صحمندی کی حالت میں اسکی ترجیح کام تھی لیکن یہ مباری کی حالت میں اسکی ترجیح آرام ہوتا چاہئے۔

زراغور کریں ایک فرد کے لیے اسکے حالات کی تبدیلی اسکے معمولات میں کتنا بڑا فرق پیدا کر دیتی ہے کسی گھر میں موت ہو جائے معمولات در ہم بر ہم ہو جاتے ہیں کسی گھر میں شادی یا ہلاکت تو ایک جنسی ہافذہ ہتی ہے وہ کہ یہ مباری میں معمول کی زندگی متاثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ حالات کی تبدیلی ایک فرد کی زندگی کے معمولات اور ترجیحات تبدیل کر دیتی ہے اگر وہ حالات کے مطابق اپنے کو تبدیل نہ کرے تو ایک کامیاب زندگی نہیں گزار سکتا یہی مثال قوموں کی ہے حالات کے مطابق انھیں زندگی کا سفر آگئے ہو ہانا پڑتا ہے۔

سیانے کہتے ہیں کہ طاقت کاراز جنم و زن یا ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے بلکہ طاقت بدلتے ہوئے حالات سے مطابقت پیدا کر لینے کا نام ہے۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں درپیش حالات کے مطابق اقدام کرنا ہی دراصل اجتناد ہے۔ اور فقہ کا مطلب بھی دین کی سمجھ بوجہ فہم اور ادارک ہے۔ دین سے بھر پور استفادے کے لیے محقق دین کا علم کافی نہیں ہے بلکہ دین کا فہم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ علم کا مطلب ہے جانتا جکنہ فقہ اور فہم کے زرعیے اس علم کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

فطری اعتبار سے ہماری اس مختیر دنیا میں ہر اصول اور ہر قانون کا اطلاق کچھ شرائط کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کچھ ضور میں ایسی ہوتی ہیں جہاں وہ اصول اور قانون غیر موثر ہوتے ہیں۔ مثلاً جان کے بد لے جان یا اسلام کا قانون تھا اسی کیا ایسے قاتل سے بھی قصاص لیا جائیگا جس سے اپنی جان، مال یا عزت کی حفاظت کرتے ہوئے یہ قتل سرزد ہو گیا ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حرام اشیاء کی ایک فہرست دی کہ تم پر مردار بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کی نیاز حرام کر دی ہے لیکن اضطراری حالت ہو جہاں

جان چانا مقصود ہے تو یہ حرام چیزیں بھی کھا سکتے ہوں۔ اسی طرح نماز کھڑے ہو کر پڑھنا فرض ہے لیکن یہماری کی حالت میں بیٹھ کر بھی پڑھی جاسکتی ہے لیت کر بھی یہاں تک کہ اشاروں سے بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ روزہ فرض ہے لیکن یہماری کی حالت میں چھوڑ جاسکتا ہے الغرض شریعت کا مزاج بھی پچھدار نظر آتا ہے۔ فقہ دراصل بدلي ہوئی صور تحال میں دین کے حکم کو معلوم کرنا ہے یاد و سرے لفظوں میں کن حالات میں دین کے کس اصول کا اطلاق ہو گا اسی کا جاننا فائدہ ہے۔

جب شریعت فطری اعتبار سے غیر پچھدار نہیں تو یہ کہاں کی عقائدی ہے کہ کتنی سوال قبل گزرے ہوئے فقہائے اسلام کی رہنمائی پر اتفاق کر کے بیٹھ جائیں اور انکے مقلد ن جائیں۔ آج ہمارے علماء نے تھہ فی الدین ترک کر دیا ہے اور تبدیل شدہ حالات میں بھی مااضی کے علماء کی فقہ پر اپنے فتووں کی عمارت تعمیر کرتے ہیں یہاں تک کہ انکی آراء کو دین میں اختصاری کا درجہ دیتے ہیں۔

اسلامی انقلاب کے لیے یہ چیز بھی کوئی کم اہم نہیں ہے دین میں غور و فکر کی روایت جو ہمارے اسلاف کا طریقہ امتیاز تھی ہمارے معاشرے میں دم توڑ جگھی ہے۔ دینی فہم یا فتووں کے جمود نے دین سے بیزاری کی نضا پیدا کر دی ہے۔ ہمارا روایتی فہم دین وقت کے پہیے کو نہیں روک سکا حالات کی تیز رفتار تبدیلیوں کو جام نہیں کر سکا البتہ امت کی ترقی و استحکام کو روک

دینا اس کے نہیں میں تھا سو یہ کام ہمارے فہم دین نے کر دکھایا ہے

موجودہ زمانے میں دینی رہنمائی کے منصب پر فائز لوگوں کا کام یہ تھا کہ وہ اجتماعی بصیرت کا مظاہرہ کرتے دین میں غور و فکر کر کے حالات کے مطابق عوام الناس کی رہنمائی کر تے۔ عصری اسلوب میں دینی تعلیمات کو مدون کرتے لوگوں کو بتاتے کہ اس وقت اسلام آپ سے کس کردار کا تقاضہ کرتا ہے دین کی ترجیحات کا تعین کر کے انھیں عوام الناس کے سامنے پیش کر تے یہماری کی حالت میں صحمندوں والے عزادم رکھنے والے عوام الناس کا داماغ تمہکا نے لگاتے۔ غربی میں امیرانہ زہنیت رکھنے والوں کو انکی اوقات یاد کرتے یاد کرتے لیکن افسوس

ہمارے دینی رہنماء لکیر کے فقیر من کر مکھی پر مکھی مارتے رہے اور انہوں نے تنگ نظر اور انتہا پسند عوام سے ڈر کرماضی کے فقماکی تقلید میں ہی عافیت محسوس کی۔

نبی علیہ السلام کی مقصد بعثت اور زمداداریوں کے حوالے سے یہ مشہور آیت پیش کی جاتی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”جس طرح <sup>لئنی</sup> تم میں تم ہی میں سے رسول <sup>بھیجا</sup> جو ہماری آئیں

تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور

تمہیں کتاب و حکمت اور <sup>وہ</sup> چیزیں سکھاتا ہے جس سے تم بے سم

تھے۔“

اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے حوالے سے چار زمداداریاں بیان ہوئیں۔

(۱) لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنا۔

(۲) لوگوں کا تزکیہ کرنا۔

(۳) قرآن سکھانا کرنا۔

(۴) اور حکمت سکھانا۔

پھر زمہ داری قرآن کی تلاوت یعنی قرآن کے زر <sup>لیے</sup> دعڑا و نصیحت کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو علیحدہ سے بھی اس چیز کا حکم دیا کہ ”فذ کر بالقرآن“ (اے نبی) پس آپ (انھیں) قرآن کے ساتھ نصیحت کریں۔ اسی لئے زمہ یہ دوسری زمہ داری بھی پوری ہو سکے گی یعنی لوگوں کے نفوس کا تزکیہ جن دلوں پر گناہوں کے زنگ چڑھے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے ان میں توبیلت حق اور عمل صالح کی استعداد کم ہو گئی ہے۔ ادارک اور فہم دین کی صلاحیت کمزور تر ہو چکی ہے ایسے دلوں کو قرآنی نصیحت کے ذریعے دھوڑائے نفسانی خواہشات اور دنیا کی محبت کی جو غلام طبیعتیں ان میں بھری ہیں انھیں نکال پھیکیے اور اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کی فکر سے ائکے قلوب کو معمور کر دیجیے۔ آپ تجربہ کر سکتے ہیں کہ قرآن اگر

ترجمہ کے ساتھ کسی انپڑھ کو بھی سنایا جائے تو وہ اس سے کچھ اور سیکھ سکے یا نہ سیکھ سکے اللہ تعالیٰ کا تعارف ضرور حاصل کر لیتا ہے جسکی وجہ سے اللہ قادرے خوف پیدا ہو جاتا ہے اسکے زہن میں یہ پیشہ جاتا ہے کہ مر نے کے بعد میں نے دوبارہ زندہ ہوتا ہے اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے جنت کی خواہش اور جہنم کے عذابوں کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے جب قلب کی پاکیزگی حاصل ہوگی تو اگلی زمہ داری یہ ہے کہ اب انھیں قرآن سکھا تو اسکے یہ خود بھی قرآن کی تلاوت کرنے والے ملن جائیں۔ لیکن صرف قرآن کی تلاوت کرنا تمدکیتے کے زرعیے لوگوں کو آمادہ اصلاح کرنا اور قرآن کی تعلیم و دینا یہ کافی نہیں ہے بلکہ فرمایا انھیں حکمت سکھانی ہے۔ ان کیثر مشور مفسرین قرآن حسنٰ قادة، مقاتل من حیان اور ابوالملک کا حکمت سکھانی ہے۔ اسکے نزدیک حکمت سے مراد سنت و حدیث ہے اور اپنی رائے دیتے جوالہ دیکر لکھتے ہیں کہ اسکے نزدیک حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ بھی ہے۔ ان وہب کے اس سوال کے ہوئے لکھتے ہیں کہ حکمت کے کہتے ہیں کہ ”امام بالک“ نے فرمایا تھا کہ دین کی معرفت اس میں درس و جواب میں کہ حکمت کے کہتے ہیں۔ امام بالک نے فرمایا تھا کہ دین کی معرفت اس میں درس و فہم اور اسکے اتباع کا ہام حکمت ہے اور احکام دین کا معلوم کرنا بھی حکمت ہے حق و باطل میں تمیز کرنا اور حقائق اشیاء کی معرفت بھی اسی قبل سے ہیں۔ امام راغب اصفہانی مفسرات القرآن میں لکھتے ہیں کہ ”لفظ حکمت جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کیا جائے تو اسکے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کی طرف اسکی نسبت کی جاتی ہے تو موجودات کی صحیح معرفت اور اسکے مطابق عمل مراد ہوتا ہے۔“

مند احمد کی اس حدیث سے حکمت کا مفہوم واضح ہوتا ہے کہ ”قابل رشک صرف دو اشخاص ہیں جسے اللہ نے مال دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی اور جسے اللہ نے حکمت دی اور ساتھ ہی اسکے ساتھ فیصلے کرنے اور اسکی تعلیم دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔“ حکمت دی اور ساتھ ہی اسکے ساتھ فیصلے کرنے اور اسکی تعلیم دینے کی توفیق بھی کہ لیں گویا حکمت دراصل دینی احکامات کے اخلاق کی صلاحیت ہے۔ اسی کو دین کی سمجھ بوجھ کہ لیں گویا تفہفہ فی الدین کہ لیں یا موجودات کی صحیح معرفت اور اسکے مطابق عمل کرنا کہہ لیں۔ حکمت سے مراد اگر نبی علیہ السلام کی سنت لیں تب بھی صور تحوال یکی رہے گی کیونکہ جب

سیدہ عائشہؓ سے کسی نے نبی علیہ سلام کے اخلاق کی بابت سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا جو کچھ قرآن میں ہے وہ آپؐ کا اخلاق ہی تو ہے۔ ”یعنی قرآنی احکامات کی عملی صورت کیا ہو گی یہی دراصل سنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں حکمت کی اہمیت و مقام کا اندازہ اس آیت سے لگایا جاسکتا ہے  
”وہ جسے چاہے حکمت دیتا ہے اور جو حکمت اور <sup>(جھٹ)</sup> دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا۔“ (سورۃ البقرہ آیت ۲۶۹)

حکمت اللہ کے ہاں خیر کثیر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کا غلبہ، فروع، قیام یا فاز مخفی علم کے زریعے نہیں کیا جاسکتا اسکے لیے حکمت تاگزیر ہے۔ دین کی سمجھی ہو جو اور اجھتوادی ابھرت کو مدد و نفع کار لَا کر عصر حاضر میں دین کی ترجیحات اسکی ضروریات و تقاضوں کا تعین کرنے کی ضرورت ہے۔ دینی رہنمائی کے مناسب پر فائز لوگوں کے اختیار میں ہے کہ وہ مذہبی رجحان رکھنے والے لوگوں کی صلاحیتوں وقت اور تو انا یوں کو استعمال کے لیے کیا سست دیتے ہیں انھیں کن امور میں کھپاتے ہیں اور تعلیم و تربیت کے زریعے کونے کونے روئے ان میں فضول کرتے ہیں، کس قسم کا دینی فہم انہیں دیتے ہیں۔ اس وقت جو صور تحال ہے اسکے مطابق تو نہ صرف یہ کہ دیندار طبقے کے اوقات، صلاحیتوں اور تو انا یوں کو استعمال کی صحیح سمت نہیں دی گئی بلکہ جمود اور بے حصی میں بتلا کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے زبردست انتشار پیدا ہو چکا ہے۔ لوگوں میں تنگ نظری اور انتہاء پسند اور روئے منتقل کئی گئے ہیں اور دین اسلام کی بهمہ گیریت اور عالمگیریت کے شایان شان دین کا درست فہم تو کیا دیا جاتا محدود معنوں میں مخفی عقائد و عبادات کو دین ہماکر پیش کر دیا گیا ہے اور اسکے معاشرتی و ریاستی پہلوؤں کو عملانظر انداز کر دیا گیا ہے۔

### مادی ترقی کے منفی معاشرتی اثرات :-

ہم انسانی تاریخ کے ایک بکل مختلف دور میں بھی رہے ہیں۔ آج سے ڈھائی تین سو سال پہلے اس مادی ترقی کا تصور بھی محل تھا جو آج کے انسان کے لیے معمول کی بات ہے۔ گھوڑوں

خچروں اور اونٹوں پر سفر کرنے والا انسان موڑ گاڑیوں ٹرینیوں اور ہوائی جمازوں جیسے بر ق رفتار زرائع آمد و رفت استعمال کر رہا ہے۔ وہ انسان جس کے لیے خود اس کا وجود ہی ایک سر بستہ راز تھا آج اس کائنات کے اسر اور موز منکش ف کر رہا ہے۔ وہ انسان جسے کبھی اپنی زمین کے دوس نیصد قبیلے پر بھی دسترس حاصل نہیں تھی آج خلاوں کو چیرتا ہوا چاند کی سر زمین پر قدم رکھ چکا ہے۔ وہ انسان جو کبھی زمین کی وسعتوں کا تصور کر کے حیران رہ جاتا تھا کیمپ یونیکیشن کے جدید زرائع نے کرہ ارض اسکے ہاتھوں کی ہتھیلی پر لا کر رکھ دیا ہے دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود دست آئی ہے بلکل ایک قبیلے اور گاؤں کی طرح۔ گھوڑوں تیروں اور تلواروں کی جگہ آج ایف ۱۶، میزائل اور جدید ترین اسلحہ نے لے لی ہے۔

حیرت انگیز ماڈی ترقی نے انسانی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ روز و شب کے معمولات بدل گئے ہیں ضروریات کی فہرست طویل ہو گئی ہے۔ نیکنالوچی کے اس تیز رفتار دور نے انسان کو اس قدر مصروف کر دیا ہے کہ اسکے لیے تھائی اور غور و فکر کے لیے کوئی وقت دستیاب نہیں ہوتا۔ ہر چند کہ آلات اور مشینوں نے انسانی زندگی کو نہایت آسان بنایا ہے لیکن ایک وجہ سے اسکی مصروفیات اور سرگرمیوں میں کمی نہیں ہو سکی بروحتی ہوئی ضروریات کی تکمیل اور حصول آسانیات کی حرص نے انسان کو ایک مستقل ذہنی عذاب میں بٹلا کر دیا

—

پہلے روئی، کپڑا اور مکان پر انسانی ضروریات کی فہرست ختم ہو جایا کرتی تھی لیکن آج اسکی ضروریات میں جلی، گیس، میلیفون اخبار، فرج، واٹکن مشین، اسٹری، پنچھے، ٹیوب لائٹس، بلب موڑ سائکل یا کار اور اس طرز کی لاتعداد اشیاء ہیں جو ایک سادہ زندگی کے لیے بھی آج کے انسان کی ضروریات میں شامل ہیں۔ پہلے زندگی کے معمولات مغرب یا عشاء کے ساتھ ہی ختم ہو جایا کرتے تھے اور آج شرودی میں ساری ساری رات دن لگا رہتا ہے۔ جدید ترقی نے تفریع کے اتنے زرائع انسان کو میا کر دیے ہیں کہ حصول معاش کی سرگرمیوں اور گھریلوں ذمہ داریوں کی ادائیگی کے بعد اسکا باقی ماندہ وقت تفریع میں گزرتا ہے اور تفریع

کے پر زرائع اسقدار پر کشش ہیں کہ یہ خود خود توجہ اپنی جانب مبذول کر لیتے ہیں۔  
دعوت کے میدان کا یہ بہت بڑا چیلنج ہے کہ آج کے مصروف ترین انسان کو جسکے پاس  
کتابیں پڑھنے کا وعظ و نصیحت کی باتیں سننے کا بالکل وقت نہیں ہے اسے کم طرح دین کی طرف  
راغب کیا جائے آسانیات دنیا کے حریص کو کم طرح آخرت یاد کرائی جانے پھر اس صورت حال  
کا گھر ایسی میں تجویز کر کے دعوت کا موثر اور نتیجہ خیز طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

بلخصوص شری زندگی میں شریعت کے مطابق عشاء پڑھتے ہی سو جانا اگرچہ ناممکن نہیں  
لیکن نہایت مشکل ضرور ہو گیا ہے معمولات زندگی عشاء کے بہت بعد تک جادی رہتے  
ہیں۔ دیر سے سونے کا قدرتی نتیجہ دیر سے جانے کی صورت میں نہ تھا ہے۔ علماء کرام بجا طور  
پر اپنے مقتدیوں پر برہم ہوتے ہیں جو باقی نمازوں میں تو نکسر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز  
پڑھتے ہیں اور فجر کی نماز میں سرے سے غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ واقعی تشویشاں کی بات ہے  
لیکن اسکا حل کیا ہے؟ وعظ و نصیحت اور سخت بازار پرس کے ذریعے عارضی طور پر توکسی کو فجر کی  
نماز پڑھوائی جاسکتی ہے لیکن مستقل ایسا بہت مشکل ہے۔ جلدی بدگانے کے لیے ضروری ہے  
کہ ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ لوگ جلدی سو سکیں۔ معاشرہ برائیوں کی آمادگاہ بنا بوا  
ہے اسلیے کہ یہاں برائیوں کے سبب بننے والے حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ برائیوں کے خاتمے  
کے لیے ان ذرائع اور اسباب کا خاتمه ضروری ہے جو برائیوں پر انتہت کرتے ہیں تمام ذرائع  
ابلاغ اور پورا ماحول برائیوں پر پر آمادہ کر رہے ہوں تو ایسے میں آپکی رسمی وعظ و نصیحت کیوں نہ  
نتیجہ خیز ہو سکتی ہے؟

برائیوں کا پائیدار خاتمه اور اعمال صالح کو فروع اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب  
کہ معاشرے پر اثر انداز ہونے والی جملہ طاقتیوں کو خواہ وہ ذرائع ابلاغ ہوں یا افرادی وسائل  
انھیں بھلانی کے فروع کے کام پر لگادیا جائے۔ جلدی سونے اور جلدی ہیدار ہونے کی  
معاشرتی فضاضیدا کی جائے کار و بار زندگی کا بھی صبح ہی سے آغاز کو معمول بنا لیا جائے۔ بہتر  
معاشری حالات پیدا کر کے اور تعلیم و تربیت کے ذریعے لوگوں میں مطالعے اور غور و فکر کی

عادت کو پرداز چڑھایا جائے۔  
بنن الاقوامی صور تحال :-

دور حاضر میں جب کہ دنیا گلوبل و جنون پھی بے بنن الاقوامی صور تحال سے لاعلم رہ کر بھی کوئی جدوجہم نہیں ہو سکتی۔ امت مسلم ایک مرتبہ اس لینے سے بھی دوچار ہوئی ہے۔ جبکہ وہ اپنے لوگوں کو تیر و تکوار کی تربیت و یکر مغربی استعمار کو شکست دینے کے خواب دیکھ رہی تھی حالانکہ مغربی طاقتیں بارودی اسلحہ جنگوں میں استعمال کرنے کے قابل ہو چکی تھیں اور ظاہر ہے بارودی اسلحہ کا مقابلہ تیروں اور تکواروں سے نہیں کیا جاسکتا تھا تجھے عبر تناک شکستوں کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ ماہی کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ضروری ہے کہ بنن الاقوامی سیاسی و معاشرتی حالات سے پوری طرح آگاہ رہ کر جدوجہم کی جائے تیزی فتادور میں حالات بھی بڑی تیزی کے ساتھ تبدیل ہوتے ہیں ہر تبدیل پر بڑی کمزی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

اگرچہ ہم نے بہت دیر کر دی ہے تاہم ابھی بھی وقت ہے کہ ہم علمی اور سیاسی سطح پر مغرب کے مقابلے میں اپنی شکست کو تسلیم کر لیں اس اعتراض شکست کے بعد ہی ہمذہ ہمیں طور پر اس قابل ہونگے کہ دوبارہ اپنی برتری قائم کرنے کے لیے صحیح سمت میں پیش رفت کر سکیں۔ ہماری تسلیم کر لینے کے بعد ہی تعلیم کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے۔ حقیقت تسلیم نہ کرنے سے وہ بدلتی نہیں ہے البتہ خود فرمی میں بتلا رہنے والے لوگ خود اپنے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

بنن الاقوامی سطح پر کمزور قوموں کو بزور طاقت غلام ہنانے کا طریقہ ناکام ہو چکا ہے۔ اب اقتصادی ہائی اور ثقافتی علامی کا دور ہے۔ سامراج کی ملک گیری کی ذہنیت تبدیل نہیں ہوئی ہے اور اب نوآبادیاتی نظام ایک نئے روپ میں پسمندہ اور ترقی پذیر حاصل کو اپنے شکنجه میں جکڑ رہا ہے اور یہ نیا سامراج کوئی فوجی طاقت یا ظاہری سیاسی قوت رکھنے والا نہیں بلکہ یہ حقوق انسانی، گلوبال ایزیشن اور کھلی منڈیوں کی تجارت کے علمبردار وہ بڑے سرمایہ دار ہیں جو ملٹی

نیشنل کمپنیوں کے کرتا دھرتا ہیں یہ اسقدر طاقتور ہیں کہ فوجی اور سیاسی قوتیں انکے سامنے بے سر ہو کر رہ گئی ہیں۔

انہوں نے ہی عورت کو اپنے مقاصد کیلئے ایک بازاری جس بار کھا ہے دور حاضر کے یہ وہ طاغوت ہیں جو نوع انسانی کو خدا اور مذہب سے دور کر کے خواہشات کا پچارہ بیار ہے ہیں۔ یہ وہ شیطان ہیں جنہوں نے جدید ذرائع البلاغ کے ذریعے دنیا کو زیادہ رُنگیں پر کشش اور دلاؤزینہ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ دنیا بھر کا میڈیا اپنی بقاواستحکام کے لیے ان سے بنا کر رکھنے پر مجبور ہے۔ یہ ماضی کے فوجی اور سیاسی استعمار سے زیادہ ظالم زیادہ سفاک زیادہ چالاک اور زیادہ بے رحم ہیں۔ اس اقتصادی استعمار نے دنیا میں غربت، بھوک، جھالت، بد امنی اور تشدد کو اپانر کیا ہے یہ بے حیائی بے دینی اور بے غیرتی کو فروغ دینے والے ہیں۔

دین کے غلبے اور فروغ کی جدوجہد میں اس اصل طاغوت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کسی فرضی طاغوت کے خلاف جدوجہد کریں اور آگے چل کے معلوم ہو کہ ہم تو محض کچھ چلیوں سے سر نکلا کر اپنے وسائل اور توانائیوں کو ضائع کرتے رہے ہیں۔

ہن الاقوامی صور تحال کے ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ غیر مسلم دنیا متفقہ طور پر اظہار رائے کی آزادی کو بینا دی انسانی حق کے طور پر تسلیم کر چکی ہے۔ اسلام کیونکہ اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک دعویٰ مذہب ہے لہذا اظہار رائے کی آزادی کا ماحول قدرتی طور پر اسکے لیے نہایت سازگار ہے۔ اس آزادی کا اگرچہ بڑے پیمانے پر بخوبی استعمال ہوا ہے میں اس آزادی کا سائیئنٹیفیکت ہے لیکن کیونکہ عقیدوں کی سچائی میں اسلام کا کوئی مدد مقابل نہیں اور نظام فطرت سے یہ پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ کوئی کائناتی حقیقت اسلام کے خلاف نہیں ہے لہذا اظہار رائے کی آزادی آخری نتیجے کے اعتبار سے اسلام کی فکری و نظریاتی فتح کی نوید ہے۔ اظہار رائے کی آزادی کا نتیجہ ہے کہ امریکہ اور دیگر تمام غیر مسلم ممالک میں اسلام کی پر امن تبلیغ کی کھلی اجازت ہے اور دنیا بھر میں بڑی تعداد میں غیر مسلم اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔

دینی تحریکوں نے اظہار رائے کی آزادی کو منع انداز میں پیش کیا ہے اسکے ساتھ فیکٹس کو نمایاں کر کے ثابت پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ دینی عناصر کے اس روئے کے دو بڑے نقصانات ہوئے ہیں نمبر ایک یہ کہ اس آزادی کو اسلام کے فروع کے لیے مکمل طور پر استعمال نہ کرنے کے نتیجے میں غالبہ اسلام کی منزل دور ہو رہی ہے اور دوسرا بات یہ کہ اظہار رائے کی آزادی کے نین القوامی مزاج سے عدم مطابقت کے سبب پیدا ہونے والی غیر معقول فضای میں اسلام کا منور بلاغ مشکل ہو گیا ہے۔

اسلام کے فروع اور غلبے کی جدوجہد میں یہ بھی ایک چیز ہے کہ ہم آزادی اظہار رائے کو کس حد تک اسلام کی سربندی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

ہمارا زمانہ کیونکہ نظریاتی اور ثقافتی جگنوں کا زمانہ ہے اور اس قسم کی جنگوں میں موئیں ترین تھیں اور ذرائع البلاغ ہیں داعیان اسلامی انقلاب کے لیے یہ بھی ایک چیز ہے کہ وہ کس طرح ذرائع البلاغ کو موئیں طور پر استعمال کر کے اسلام کی فکری و ثقافتی برتری کو قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

## تیسرا باب

### دین کے لیے ہونے والی جدوجہد کا تقدیدی جائزہ

تقدید دراصل تغیر کی ایک صورت ہے یہ ایک صحتنامہ روایت ہے جسکی نیز موجودگی میں تغیر و ترقی رک جاتی ہے۔ تقدید دراصل تقدید کی ضد ہے جہاں تقدید ہوگی وہاں تقدید ایک گھناوٹا جرم اور ایک کبیرہ گناہ من کر رہا جائیگی مقلد اپنی محبوب فکر، محبوب شخصیت یا محبوب جماعت کے خلاف اصلاحی تقدید بھی گوارہ نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ مقلد معاشرے لیکر کے فقیر عن کر جمود کا شکار ہو جاتے ہیں اور تغیر و ترقی کی استعداد سے محروم ہو جاتے ہیں مقلد اس ٹھرے ہوئے پانی کی طرح ہے جو بہت جلد گند اور گدلا ہو کر بدبو چھوڑ دیتا ہے۔ مقلد معاشروں میں جہاں تقدید ایک جرم ہو کیفیت ایسے ہی گندے تالاب کی مانند ہو جاتی ہے جو معاشرے میں صرف گندگی کی افراد کا سبب ہوتے ہیں۔ انتشار نہ نظمی 'خود غرضی' قانون شخصی نہ دیانتی اور اس طرح کی اخلاقی برائیوں کی بدبو ہی ان معاشروں کی پیچان من جاتی ہے۔

مادی ترقی کا تمامتر کریڈٹ تقدید کو جاتا ہے مادی علوم کی دنیا میں تقدید کو ایک تغیری اور تخلیقی کوشش کے طور پر پذیرائی دی جاتی ہے۔ اگر مادی علوم کی دنیا میں بھی تقدید کا روانج ہوتا تو آج کا انسان ترقی کی اس معراج پر نہیں پہنچ سکتا تھابلکہ قرون وسطی کے سامنے علماء کی سوچ کو آخری سچائی کے طور پر قبول کر کے اس پر قائم ہو جاتا۔

صحیح فکر رکھنے والوں کے باں انبیاء کے علاوہ کوئی شخصیت تقدید سے بالاتر نہیں ہوتی۔ انبیاء مخصوص عن الخطاء ہوتے ہیں جبکہ ایک علاوہ ہر ایک سے خواہ وہ علم کا سمندر ہو یا تنقے کا بخیز کر اس بہر حال اس سے غلطی ہو سکتی ہے۔ درست رویہ یہ ہے کہ اپنی محبوب فکر یا محبوب شخصیت کا پورا پورا احترام کرنے سے باوجود وہ لوں میں اکنہ محبت رکھنے کے باوجود انہیں تقدید سے

بالآخر نہیں سمجھنا چاہے بھورت دیگر مقلدانہ روشن اختیار کر لینے کی وجہ سے انسان اپنی زندگی میں کثیر سچائی سے محروم رہ جاتا ہے۔

دین کے حوالے سے ہونے والی جدو جمد کا تنقیدی جائزہ پیش کرنے کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ اس جدو جمد میں شریک تمام لوگوں کی کارکردگی، قربانیوں اور محنتوں کا انکار کر دیا جائے یا ان کی نیتوں اور اخلاص کو یکسر مسترد کر دیا جائے۔ بلکہ اس تنقید سے مقصود صرف اصلاح ہے۔ ظاہر ہے معاشرے میں جو خوفناک حد تک بے دینی پھیلی ہوئی ہے۔ اگاث کی ہر شکل اپنی پوری شدت کے ساتھ معاشرے میں سرگرم نظر آتی ہے۔ یہ صورت حال بطور خود دین کے حوالے سے ہونے والی جدو جمد کے غیر موثر ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ ایسے میں اس جدو جمد کا تنقیدی جائزہ لیانا صرف ضروری ہے بلکہ یہ ایک تحریک کام ہے۔ دینی جدو جمد کو زیادہ موثر اور کامیاب بنانے کی صورت یہی ہے کہ اپنی غلطیوں، خامیوں اور کمزوریوں کا ادارک حاصل کیا جائے۔ آئیے نیک نیت کے ساتھ تنقیدی جائزے کا آغاز کرتے ہیں۔

اپنی کارکردگی اور کامیابیوں کو جانپنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس مقصد کو سامنے رکھا جائے جسکے حصول کے لیے جدو جمد ہو رہی ہے۔ دین کے لیے ہونے والی جدو جمد کے لیے بینا وی طور پر دو مقاصد کار فرما ہوتے ہیں ایک کا تعلق اعمال اور اسکے نتائج سے ہے دوسرا کے کا تعلق نیت سے ہے۔ جس مقصد کا تعلق نیت سے ہے اسکے ذیل میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول، آخرت کی نجات یعنی حضم اور قیامت کی ختیبوں سے چڑا اور جنت کا حصول ہے اور جس مقصد کا تعلق دنیا کی زندگی سے ہے اس میں اسلام کی سر بلندی دین کا فروع اور غلبہ شامل ہے۔ یہ دونوں مقاصد ایک نتیجہ خیز جدو جمد کے لیے لازم و ملزم ہیں۔ اگر صرف اخروی نتائج کے حصول پر توجہ مرکوز کر دی گئی تو دنیا وی نتائج غیر اہم ہیں جائیں گے اور جدو جمد کو موثر اور نتیجہ خیز بنانا اسکے لیے غیر ضروری ہو گا اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ عملی جدو جمد کی خامیوں اور کمزوریوں کا ادارک حاصل کرنے اور انھیں دور کرنیکی

طرف کوئی توجہ نہ دے سکے گا۔ اور اگر جدوجہد کا مقصد صرف دنیاوی مقاصد کا حصول ہو گا تو ایسی جدوجہد کا نتیجہ ظاہر ہے آخرت کی تباہی کی صورت میں ہی نکلے گا اس لیے جدوجہد میں دونوں مقاصد کو اپنے مقام پر پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

دین کے غلبے اور فروع کے معنی یہ ہیں کہ معاشرہ اللہ کے رنگ میں رنگ جائے انفرادی زندگی سے لیکر اجتماعی زندگی تک کے تمام پہلو اللہ کی ہدایت کے تابع ہو جائیں۔

موجودہ دور میں دین کے لیے جدوجہد کے دعویدار جتنے گروہ اور جماعتیں ہیں ان میں بھاری اکثریت غلبہ دین کا کامل شعور نہیں رکھتی اور جزوی مقاصد کے لیے سرگرم ہیں۔ انہوں نے دین کی جو تعبیریں کی ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ کچھ گروہ پا یے ہیں جنہوں نے اسلام کو ایک تبلیغی مذہب کے طور پر سمجھا ہے اُنکے نزدیک کرنے کا کام بس یہی ہے۔ اُنکے اس موقف میں جزوی سچائی تو موجود ہے لیکن انکی تبلیغ انفرادی اصلاح سے آگے نہیں بڑھتی نظام زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کس قسم کی جدوجہد کی ضرورت ہے اس مقصد کے لیے افراد کی تربیت کر کے ان میں کس قسم کی صلاحیتیں پروان چڑھانا ہیں۔ اپنی جدوجہد کو کس طرح عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہے۔ ان سوالوں کا اُنکے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہیں ہے۔

بعض گروہوں کی پہچان جہاد کے حوالے سے ہے۔ اُنکے نزدیک اسلام ایک جمادی دین ہے اسلام کی یقیناً مسلمانوں کا استحکام اور غلبہ جہاد پر منحصر ہے۔ اس لئکر میں بھی سچائی موجود ہے لیکن اُنکے ہاں جہاد کا مفہوم صرف ہتھیاروں کی لڑائی ہے یعنی قال ہی اُنکے نزدیک جہاد ہے۔ انہوں نے اسلام کی جو تعبیر کی ہے وہ سیرت رسول ﷺ سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتی بی اعلیٰ اسلام کی زندگی میں غالب عصر دعوت کا ہے جب کہ دور حاضر بھی پر اُمن جدوجہد کا دور ہے۔ ان گروہوں کے پاس بھی اسلام کے غلبے اور فروع کا کوئی قابل عمل پروگرام نہیں اور اسکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ گروہ پاکستان میں موجود باطل اور طاغوتی نظام اور اسے سر پرستوں سے نہ صرف کوئی نکر لینے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ خود اُنکی سر پرستی میں اپنے

بُنادی کام کو جاری رکھئے ہوئے ہیں۔

تیری کیتھری ان گروہوں کی ہے جنہوں نے دین کی پورے معنوں میں سیاسی تعبیر پیش کی یہ لوگ سیاسی جدوجہد کے ذریعے سے غلبہ دین کی منزل حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ائمکن عزائم اور ارادے اپنی جگہ جائیکن انکی جدوجہد میں شامل سیاست کے غالب عصر نے اسلام کے دعوتی و روحانی پسلوؤں کو پیچھے کر دیا ہے۔ ایک اصلاح یافتہ حکومت اصلاح یافتہ لوگوں پر ہی قائم ہو سکتی ہے جبکہ ان گروہوں کی توجہ کامبھاری حصہ عملی سیاست کے تقاضوں پر ضریب ہو رہا ہے اور دعوتی کام پس پشت چلا گیا ہے۔

ہمارے ہاں دینی گروہوں کی ایک کیتھری ایسی بھی ہے جو غلبہ دین کی جدوجہد کا بلکل شعور نہیں رکھتی وہ لوگ مساجد و مدارس کے انتظام یا جلسوں اور دروس کے اہتمام پر ہی اتفاق کرتے ہیں۔ محدود مقاصد سامنے ہونے کی وجہ سے اُنی سوق و فکر بھی محدود رہتی ہے ائمکن پاک میں کو غالب کرنے کا کوئی پروگرام نہیں۔

آئیے ذرا مجموعی طور پر دین کے لیے ہونے والی جدوجہد کا جائزہ لیتے ہیں اور اس میں بہتری کی صورتوں پر بھی غور کرتے ہیں۔

دعوتی کام پس پشتِ الدیا گیا ہے : داعیان انقلاب کو جو سب سے بڑا چیلنج در پیش ہے وہ اخلاقی زیوں حالی کا ہے اور اس چیلنج سے کامیابی کے ساتھ نہیں کی صورت صرف یہ ہے کہ دعوتی عمل کو موثر اور تیز تر کر دیا جائے لیکن محیثت مجموعی تمام دینی گروہوں میں دعوت کے عنوان سے جو تھوڑی بہت سرگرمیاں ہو بھی رہی ہیں وہ بھی دعوت کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہیں۔ مختلف گروہ دعوت کے ذریعے لوگوں میں اپنے مطلب کا مخصوص مزاج پیدا کرنے میں تو کسی قدر کامیاب ہیں لیکن افراد میں ایک متوازن اسلامی مزاج پیدا کرنے میں یہ گروہ ناکام ہو چکے ہیں۔

مثلاً اسلامی مزاج کی بڑی علامت عدل و انصاف ہے۔ مومن ہمیشہ انصاف کی بات کرتا ہے اگرچہ معاملہ و شکن ہی کے ساتھ ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ کسی کی دشمنی

تحمیں بے انصافی پر آمادہ نہ کر دے تم نے ہر حال میں انصاف پر قائم رہنا ہے درست گواہی دینی ہے خواہ اسکی زد تم پر یا تمہارے عزیز و اقارب پر پڑتی ہو۔ لیکن جب ہم مختلف دینی گروہوں کے تیار کردہ افراد کے کروار کا جائزہ لیتے ہیں تو ان میں عدل کی یہ صفت مفقود نظر آتی ہے۔ وہ اطمینان رائے میں ہمیشہ جانبداری اور گروہی تعصب سے کام لیتے ہیں۔ اپنی ہر غلطی کا اسکے پاس جواز ہے اسلیے وہ اوناگر وہ بحسم خیر ہیں جبکہ اسکی نظر میں دوسراے گروہ اور جماعتیں غلطیوں کا مرکب ہیں اور اسکے پاس خیر و بھلائی نام کی کوئی شے نہیں۔ ہر گروہ کی خارج پالیسی کی بنیاد جانبداری اور گروہی تعصب پر ہے اور یہ ان افراد کے مزاج کا حصہ ہے۔ تبی علیہ السلام کے پاس جب ایک مسلمان اور یہودی کا جھੜڑا پیش ہو تو آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا لیکن آج مسلمانوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ پوری دنیا میں جہاں جہاں مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تباہ ہے اس میں غیر مشروط طور پر مسلمان کا ساتھ دینا پنا فرض سمجھتے ہیں اور اس معاملے میں کسی قسم کی تحقیق تک گوارہ نہیں کرتے۔

مختلف گروہوں میں سے کسی بھی گروہ کے کارکن کے سامنے اسکے گروہ کی فکر یا جاری پالیسیوں پر آپ کتنے ہی مخلصانہ اور علمی تقدیم کریں وہ آپکی تقدیم پر ظریہ انداز میں مسکراتا رہے گا گویا آپ کی تقدیم اسکی نظر میں مضمکہ خیز حد تک غیر اہم اور فضول ہے جبکہ اسلامی مزاج یہ ہے کہ وقت کے بڑے حکمرانوں نے بھی تقدیم کے جواب میں یا تو اصلاح کی اور یا قابل قبول وضاحت پیش کی۔ کوفہ کے بعض شرپند عناصر نے جب گورنر سعد عن اٹلی و قاص کی خود ساختہ شکایت امیر المومنین حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیں تو آپ نے یہ کہ کر دیں کر دیا کہ سعد تو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں وہ ہماری حکومت کے گورنر ہیں میں نے انہیں گورنر نامزد کیا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتے اسکے خلاف کوئی شکایت قابل اعتبار نہیں۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے ثابت رویہ اختیار کیا اور فوری تحقیقات کا حکم دیا محمد بن مسلمہؓ کو محتملہ بنابر کوفہ بھجا وہ وہاں کی ہر مسجد میں جا کر مسلمانوں سے ملنے اور سعد عن اٹلی و قاصؓ کے بارے میں رائے لی اور پھر انکے متعلق ثابت روپورث امیر المسینؓ کی خدمت میں پیش کی یہ اسلامی مزاج

ہے لیکن ہماریے ہاں دعوت و تبلیغ کے ذریعے جس قسم کی کردار سازی کی جا رہی ہے ان میں اسلامی مزاج مفقود ہے۔

مختلف گروہوں کی دعویٰ سرگرمیاں مخفی جلسے جلوس ہفتہ واری و ماہانہ دروس یا لیٹر پیپر کی اشاعت پر مشتمل ہیں۔ ہر گروہ کی دعوت بس اس گروہ میں شمولیت کی دعوت بن کر رہ گئی ہے۔ ہر جماعت کے کارکنان اپنی جماعت اور اپنی قیادت کے ٹھن گاتے نظر آتے ہیں انکی زبانوں پر اپنی جماعت کے کارنامے اور خصوصیات جاری ہوتی ہیں وہ بس مخاطب کو اپنی جماعت میں شمولیت کے فیصلے پر قابل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی مخفی اللہ کی بندگی کی طرف بلا نے والا نہیں۔

ہمارے ملک کے لکنے فیصلہ عوام مختلف گروہوں کی دعویٰ سرگرمیوں کے مخاطب ہوتے ہیں؟ حقائق انتہائی تشویشاًک بلکہ شرمناک ہیں۔ ملک بھر میں تمام گروہوں کی دعویٰ سرگرمیوں کا دائرہ اسقدر محدود ہے کہ ہمارے تقریباً ستر فیصلہ عوام برداہ راست دعوت کے مخاطب ہی نہیں ہوتے۔ بعض جماعتوں صرف پڑھے لکھے لوگوں پر دعویٰ کام کرنے کو ترجیح دیتی ہیں اور بعض جماعتوں جو عوام الناس میں بھی کام کر رہی ہیں انکے لوگ کسی بڑے علاقے کا چار پانچ روزہ دعویٰ دورہ کر لینے پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں ظاہر ہے دس ہزار کی آبادی والے قصبے میں یہ محدود ساد عویٰ کام قطعاً نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا نبی علیہ السلام نے مکہ جیسے چھوٹے شر میں تیرہ سال تک رات دن دعویٰ کام کیا اسکے بعد بھی نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو مسجد والوں کے مظالم سے بچنے کے لیے بھرت کرنا پڑی تھی۔

دعوت تو ایک مستقل عمل ہے اسکی کوئی حد نہیں ہوتی معاشرتی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ یہ ہر حال اور ہر صورت میں جاری رہے۔ نبی علیہ السلام نے اسلامی معاشرے میں دعویٰ عمل کو زیادہ تیز، زیادہ منظم اور زیادہ نتیجہ خیز بنانے کے لیے مسلمانوں کی ہر بستی میں مسجد کے قیام کو ضروری قرار دیا اور مسجد کو موپرزا بنانے کے لیے ایسے احکامات صادر کیے جسکی وجہ سے مسجد مسلمانوں کی معاشرتی سرگرمیوں کا محور قرار پائی۔ تاہم آج مساجد کو بھی ہم

لوگوں نے وہ حقیقی کردار ادا کرنے سے قاصر بنا دیا ہے جو قرون اوپری اور اسکے بعد تک او اکیا کرتی تھیں۔ اب مسجدیں دعوتی سرگرمیوں کا مضبوط مرکز نہیں اب وہ فرقہ واریت اور انتشار کا گڑھ منچکی ہیں وہاں اللہ کی بڑائی بیان ہونے کے بجائے اپنے اپنے مسائل اور بزرگوں کی بڑائی بیان کی جاتی ہے لوگوں کے اخلاق و کردار کی تغیر کرنے کے بجائے متعصباً تعلیمات سے انھیں معنی کیا جاتا ہے۔

اج مسلمانوں نے اپنے ذاتی معاملات میں اپنی ضرورتوں کے تحت جدید ترقی کو پوری طرح استعمال کیا ہے۔ کوئی صنعتکار اپنی مصنوعات کی تشریف کے لیے اُوی ریڈی یو اور اخبارت کو استعمال کرنے سے پہلے مولوی صاحب سے فتویٰ نہیں لیتا کہ آیا ایسا جائز ہے یا ناجائز کوئی تعلیم یافتہ مسلمان سرکاری مکاموں میں بھرتی کی درخواست دیتے ہوئے مولانا صاحب سے مشورہ نہیں مانگتا کہ ایسی غیر اسلامی حکومت کی نوکری کرنا شرعاً کیسا ہے۔ لیکن معاملہ اسلام کی تشریف کا آتا ہے تو اس سے متعلق فتوے لینے شروع کر دیئے جاتے ہیں یہ اتفاق بھی اسلامی دعوت کے فروغ میں رکاوٹ ہے۔ دور حاضر ذرائع الملاعن کا دور ہے آبادی میں بے انتہا اضافے اور زبردست پھیلاؤ کے بعد اب روایتی طریقوں سے دعوت کا حق ادا کر دینا ممکن نہیں رہا آج کے دور میں دعوت کا کام موہر اور نتیجہ خیز اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ الملاعن کے تمام جدید ذرائع کو پوری طرح استعمال کیا جائے۔ لیکن آج ہمارے ہاں کی جدید زبان رکھنے والی اسلامی جماعتیں بھی دعوت کے لیے ذرائع الملاعن کو اچھی طرح استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔ دعوتی عمل کے محدود اور کمزور ہونے کی یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے۔

ابھی تک تو ہم صرف مسلمانوں میں ہی دعوت و تبلیغ کا حق ادا نہیں کر سکے ہیں جبکہ ہماری ذمہ داری تو پوری نوع انسانی کو اپنی دعوت کا مخاطب بنانے کی تھی ہماری اکثر دینی جماعتیں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کے سلسلے میں کوئی عملی جدوجہد نہیں کر رہیں بلکہ انکا طرز عمل غیر مسلموں کو اسلام سے بدلنے کرنے والا ہے وہ غیر مسلموں کو صرف ایک روپ میں دیکھ رہی ہیں اور وہ ہے اسلام کے دشمن کا روپ اور دشمن کے ساتھ جذباتی لوگ ہر

حالت میں ختم رویہ رکھتے ہیں۔ مسلمان گروہ غیر مسلموں کو مدد عوکے روپ میں دیکھنے کے لیے تیار نہیں وہ انہیں اپنی دعوت کا مناطب بنانے کے بجائے اپنے قبال کا نام گٹھ بندار ہے ہیں اور لازمی بات ہے یہ طرز عمل کسی بھی صورت میں غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت کے فروغ میں معاون نہیں ہے۔

دعوت محض لفظوں کے فروغ کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اعمال کا فروغ ہے۔ ایک داعی محض الفاظ یا علم مناطب میں منتقل نہیں کرتا بلکہ وہ روئے اور اعمال منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن آج دعوت کو لفظوں کا کھیل سمجھ لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جلسے اور کانفرنس کر کے ہفتہواری و مہینہ دروس کا اہتمام کر کے یا نہ ہی مسائل پر لزیچہ شائع کر کے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دعوت کا حق ادا کر دیا گیا ہے حالانکہ لفظوں میں دعوت کا البلاغ دعوت کا ایک جزو تو ہے لیکن دعوت کی اصل اپنے اعمال سے دعوت دیتا ہے ایسی ہی دعوت زیادہ کارگر ہوتی ہے۔ ایک حقیقی داعی اگر زبان سے کچھ نہ بھی کہے تب بھی وہ مستقل دعوت کا کام کر رہا ہوتا ہے۔ گھر والوں کے ساتھ اسکا طرز عمل رہن سن اڑتے داروں اور دوست احباب کے ساتھ اسکا سلوک کاروباری لین دین اسکے کھیل اسکی سیر و تفریح اسکی گفتگو اور اسکی خاموشی وہ ہر وقت اور ہر جگہ مصروف دعوت ہوتا ہے۔ اسکے روئے اور اسکے اعمال اسکے عقائد اور اسکی سوچ کے آئینہ دار ہوتے ہیں اسکا ظاہر اسکے باطن کا انطباق ہوتا ہے وہ سر پا دعوت میں جاتا ہے۔ لیکن آج ہمارے ہاں دعوت و تبلیغ کے کاموں میں اس عملی پسلوک کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے صرف الفاظ کے البلاغ کو دعوت کہا جاتا ہے حالانکہ داعیان کرام کے اعمال اسکے الفاظ سے مطابقت نہیں رکھتے اللہ کے نزد یک بھی یہ ایک بہت بڑی بات ہے کہ ہم وہ کچھ کہیں جس کے مطابق خود ہمارا عمل نہ ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو مومنوں کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا

لقد کان لكم فی رسول اللہ اسوة حسنة

گویا آپؐ کی دعوت اسقدر عملی تھی کہ آپؐ کے صرف لفظوں کو ہی قابل اتباع قرار

نہیں دیا یا کہ آپ کی پوری عملی زندگی نمونہ قرار دے دی گئی۔ یہ دراصل دعوت کا مفہوم ہے۔

قول و فعل کا تضاد ہمارے ہاں ایک عمومی روایہ ہے دنیا کی بے شانی پر تقریر کرنے والے عملی اعتبار سے دنیا پر فریقہ نظر آتے ہیں حسن اخلاق کا درس دینے والے اپنی عملی زندگی میں بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہیں صبر و برداشت کی تاکید کرنے والے معنوی بات پر بھروسہ اٹھتے ہیں۔ عدل و انصاف کی نصیحت کرنے والے جانبدارانہ اور متعصبانہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ سادگی کا ذہن و راسپینے والے پر تکلف زندگی گزارتے ہیں۔ اکثر زندگی کے معاملات میں دو ہر امعیار اختیار کیا جاتا ہے اپنے لیے کچھ اور دوسروں کے لیے کچھ اور ذاتی معاملے میں کچھ اور جماعتی و دنیی معاملے میں کچھ اور یہ صور تحوالہ بتا رہی ہے کہ ہمارے ہاں جو تھوڑا بہت دعوتی کام ہو بھی رہا ہے اسکا کیا معیار ہے۔

اس موضوع کو سمجھتے ہوئے یہی خلاصہ ہیاں کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت تمام دنیٰ کروہوں میں دعوت کا کام وہ مقام نہیں رکھتا جس کا یہ سمجھتی ہے ایک تو دعوت کا کام بہت کم ہو رہا ہے اور جو ہو رہا ہے وہ بھی کئی وجہات کی بنا پر دعوتی کام کملائے جانے کا حقدار نہیں ہے۔ اکثر جگہوں پر دعوت صرف گروہی دعوت نہ کر رہ گئی ہے۔ اسلامی دعوت کی ہمہ گیریت اور آنفاقت کہیں موجود نہیں دعوتی موضوعات کے سمندر سے محض پانچ فیصد موضوعات کی بیاندار پر دعوت کی عمارت کھڑی کر دی گئی ہے۔ ہمارے اپنے ملک میں صحیح العقیدہ مذہبی گروہوں کی دعوت کے براہ راست مخاطب یہیں پہنچیں فیصد عوام بھی نہیں بنتے اور جو نہیں ہیں وہ بھی رسمی طور پر مستقل طور سے عوام پر کام نہیں کیا جا رہا۔ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت پہنچانے کے سلسلے میں لیکر یہ دنیٰ جماعتیں زیر و پو ائمہ پر کھڑی ہیں بلکہ انکی سوچ و فکر اور طرز عمل غیر مسلموں کو اسلام سے دور کرنے کا سبب ہے اور یہ گروہ غیر مسلموں کو مدعا کے روپ میں دیکھنے کے وجاء دشمن کے روپ میں دیکھتے ہیں اسی لیے ہمدردانہ دعوتی عمل حال ہو چکا ہے۔ دعوت اسی صورت میں موثر ہو سکتی تھی جبکہ ابلاغ کے تمام جدید ذرائع استعمال

کیتے جاتے لیکن اس حوالے سے بھی نہ ہی گروہ ناکام ہیں۔ نتیجہ خیز و عوتی عمل جاری ہونے کی صورت یہ تھی کہ اپنے اعمال کو دعوت کا ذریعہ بنایا جاتا تول و فعل میں ہم آہنگی اور مطابقت پیدا کی جاتی لیکن داعیانِ کرام کے نزدیک صرف لفظوں اور علم کا مبالغہ ہی دعوت ہے۔

یہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے یہ دعویٰ کرنا درست معلوم ہوتا ہے کہ دینی گروہوں میں دعوت کا کام پس پشت چلا گیا ہے۔

**تعمیری سرگرمیوں میں خطرناک حد تک کمی :-**

اس کائنات میں کسی بھی چیز کی برقراری کی وجہ اس چیز کی افادیت ہے۔ جو چیز اپنی افادیت کھو بیٹھے دراصل وہ اپنی برقراری کا جواز کھو بیٹھتی ہے۔ اقوام کے حوالے سے بھی قدرت کا یہی قانون کار فرمان نظر آتا ہے جو قوم نوع انسانی کے لیے جتنی زیادہ نفع ملکش ہے وہ اتنی ہی مستحکم ہے اور جو قوم نفع ملکش کی صلاحیت کھو بیٹھتی ہے تباہی و بربادی اس کا مقدار من جاتی ہے۔

تعمیری سرگرمیاں ہی قوموں کو محییت مجموعی نفع ملکش بناتی ہیں۔ یہ بھی ایک بڑا الیہ ہے کہ صحیح العقیدہ تمام نہ ہی گروہوں کی تعمیری سرگرمیاں خطرناک حد تک کم ہو چکی ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں قیادت محفوظ عقیدہ و فکر کی سچائی کی بنیاد پر نہیں ملا کرتی قدرت یہ بھی دیکھتی ہے کہ کن لوگوں میں تعمیر کی کتنی صلاحیت ہے۔ دراصل ہمارا اور بگاڑیں ہی عروج زوال پہنچا ہے۔ نہ ہی گروہوں کی تعمیر کے میدان میں ناقص کارکردگی اسکے انتشار کا بڑا سبب ہے۔

ہونا یہ چاہئے تھا کہ یہ نہ ہی گروہ اپنی توانائیاں اور وسائل تعمیری کاموں میں صرف کرتے۔ قوم کو تعلیم یا فتنے کی کوشش کرنا ایک تعمیری کام تھا لیکن یہ اہم کام غیر ذمہ دار حکومتوں کے لیے چھوڑا ہوا ہے یا ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تعلیم کو کار و بار بنایا ہوا ہے اور تعلیم کے نام پر نہ صرف عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں بلکہ اپنی نااہلی کے سبب

پوری نسل کو تباہ کرنے پر ملتے ہوئے ہیں۔ مذہبی گروہوں کی عصری تعلیم کے حوالے سے کوئی پالپسی نہیں ہے یہ ڈاکٹر زانجینسٹر زماں ہرین معاشیات اور دیگر مختلف شعبوں کے دینی ذہن رکھنے والے ماہرین کی تیاری کے لیے کچھ نہیں کر رہے بلکہ ان میں سے اکثر عصری تعلیم کی بجا خلافت کر کے دینی ذہن رکھنے والے لوگوں کو اس تعلیم سے بد ظن کر رہے ہیں اسکا نتیجہ یہ ہے کہ عملی زندگی کے تمام شعبے دینی ذہن رکھنے والے ملاصدرا افراد سے تقریباً خالی ہیں۔ ذرائع الملاع سے لیکر صحت اور تمام سرکاری اداروں تک اہم امدوں پر لبرل قسم کے لوگ فائز ہیں جنہیں دین سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے

صحیح العقیدہ دینی گروہوں کی دعوتی سرگرمیوں میں عصری علوم کی ترغیبات بھی شامل ہونا چاہیے۔ نوجوانوں میں دینی شعور پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں یہ جذب اور شوق بھی پیدا کیا جانا چاہیے کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں آگے بڑھیں تاکہ زندگی کے عملی میدانوں میں امت مسلمہ کی قیادت کر سکیں اور ساتھ ہی دنیاوی اعتبار سے بھی اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکیں لیکن افسوس ابھی تک دینی جماعتوں نے جو کچھ کیا ہے وہ صرف نوجوانوں کے کیر نیر کی تباہی ہے۔ اپنے محدود مقاصد کے لیے غیر تعمیری امور میں نوجوانوں کی صلاحیتیں اور توانائیاں کھپاوی گئی ہیں۔ نوجوانوں کے لیے کریمیہ کام صرف یہ ہیں کہ وہ شرکی دیواروں پر چاکنگ کریں سڑکوں پر بیز زپو سڑزار سائیں پورڑا آویز ادا کریں۔ جلوسوں کی تیاری کریں رات رات بھر جاگ کر اتنی کی تیاری کریں جسے کامنہ بنانے کے لئے شر بھر کے دورے کریں یاد فاتر میں بیٹھ کر گپیں ماریں اور دعوت کے نام پر جو کام نوجوانوں سے کراچے جاتے ہیں وہ بھی صرف یہ کہ وہ شر میں نکلیں لوگوں کو بتائیں کہ آخرت میں نجات کی صورت صرف یہ ہے کہ ہماری جماعت کی دعوت پر لبیک کو ہماری قیادت کی بیعت کر لواور ہماری سرگرمیوں میں عملی طور پر شریک رہو جماعت کیلئے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرو یہ دعوت ای جماعت کا کام نوجوانوں سے لیا جاتا ہے۔

کسی جماعت کی ترجیح میں شامل نہیں کہ وہ اپنے سے والستہ ہونے والے نوجوانوں کی حقیقی

خیر خواہی کرے اسکے نفس کے تذکرے کے ساتھ ساتھ اسکی علمی استعداد اور عملی صلاحیتوں کو نشوونما دینے کا اہتمام بھی کرے یہی وجہ ہے کہ مذہبی جماعتوں سے والہت نوجوان علوم و فنون اور ترقی کی دوڑ میں عموماً پیچھے ہی نظر آتے ہیں

نوجوانوں کے کیفیت یہ رہانے کے بجائے انہیں بھاڑا سے گھروالوں اور معاشرے کے لیے مفید رہانے کے بجائے بوجھ رہانے۔ انہیں عمل کرنے والا رہانے کے بجائے محض باقیں کرنے والا ہادیہ۔ انہیں حصول علم کی ترغیب دلانے کے بجائے غیر علمی سرگرمیوں میں الجہاد رہانا۔ انکی نشوونما دینے کے بجائے انہیں ضائع کر دینا یہ وہ عظیم جرائم ہیں جو تقریباً تمام صلاحیتوں کو نشوونما دینے کے بجائے انہیں ضائع کر دینا یہ وہ عظیم جرائم ہیں جو تقریباً تمام مذہبی جماعتوں میں بڑھ چڑھ کر کر رہی ہیں۔ اور نتیجے کے اعتبار سے یہ جرائم قوم کے مستقبل کو تباہ کرنے کے ہم معنی ہیں۔

ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں اکثر مذہبی گروہوں کی سرگرمیوں کا محرك حصول نیڈ کا مقصد ہن گیا ہے ایسی سرگرمیاں اختیار کی جاتی ہیں جو نظر آنے والی ہوں جنہیں عوام میں زیادہ سے زیادہ کیش کر لیا جائے۔ جلسے اور عوامی اجتماعات اسی مقصد کے لیے رکھے جاتے ہیں۔ اللہ معاف کرے مساجد و مدارس کو کاروباری جنس بنا لیا گیا ہے۔ اس کی توجہ اور دعوت کے زیادہ تر شکار سرمایہ دار ہوتے ہیں انکی سوچ و چار کا اہم موضوع یہ ہوتا ہے کہ کس طرح سرمایہ داروں کو متاثر کیا جائے۔ انکی سرگرمیوں کا انکے مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سرگرمیاں ان مقاصد کے لیے نہیں کی جا رہی ہیں جو بیان کئیے جاتے ہیں۔

باتوں اور تقریروں کے ذریعے کام نہیں ہوا کرتے اسکے لیے عمل کرنا پڑتا ہے یہ کامن سنسکریتی بات ہے اور دنیا کا ہر صاحب عقل اپنے ذاتی معاملات میں اس حقیقت کا لحاظ کرتا ہے اگر کوئی کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ جانتا ہے کہ محض باتوں اور تقریروں کے ذریعے میں یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اسکے لیے مجھے عمل کرنا پڑتا گیا یہی معاملہ دنیا کے ہر کام کا ہے لیکن یہ کتنا بڑا الیہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے عظیم مقصد کو ہم محض باتوں اور تقریروں کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

صحیح العقیدہ نہ ہبی گروہوں میں اس وقت جس چیز کی سب سے زیادہ کی ہے وہ ہے تعمیری عمل اور یہی وہ چیز بھی ہے اسلامی انقلاب کے لیے جسکی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ یہ نہ ہبی گروہ اسلامی انقلاب کے عظیم مقصد کو سامنے رکھ کر ازسر نواپنی ترجیحات کا تعین کریں۔ بے مقصد طور پر ایسے کاموں میں اپنی توجہ صلاحیتوں اور توآنا کیوں کو کھپانے کی وجائے جو نظر آتے ہیں اور عوام میں پزیرائی کا سبب بنتے ہیں ایسے کام کیے جائیں جو اصل مقصد سے ہم آہنگ ہوں خواہ وہ عوام کی نظروں سے او جبل ہوں اور خواہ انہیں عوام میں کوئی پذیرائی نہ ملتی ہو۔

### دور حاضر کے چیلنجز کا عدم اور اک :-

صحیح العقیدہ نہ ہبی گروہوں کی سرگرمیاں اور ترجیحات خود بتاتی ہیں کہ ان گروہوں کو اسلامی انقلاب کے حوالے سے درپیش چیلنجز کا اور اک نہیں ہے۔ انہیں نہیں معلوم اسلام کے غلبے اور فروغ کی منزل حاصل کرنے کے لیے انہیں کون کون سی مہمات سر کرنا ہو گئی کن کن راستوں پر سفر کرنا پڑیگا۔ اس وقت اسلامی انقلاب کے مقصد اور انکی جدوجہد کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی امریکہ جانے کا مقصد اپنائے اور اونٹ کو اپنے سفر کا ذریعہ بنائے اور اونٹ کا رخ امریکہ کے وجائے چین کی طرف کر دے یعنی ایک توزیعیہ فرسودہ اور ست رفتار اور اپر سے راستہ بھی درست نہیں۔

اخلاقی زیوں حالی اس وقت بہت بڑا چیلنج ہے لیکن نہ ہبی گروہوں کی دعوتی نہ رکھیں کی جو حالت ہے وہ گزشتہ صفات میں ہم پڑھ آئے ہیں۔ قوم کی اخلاقی حالت سنوارنے کے لیے انکی کوششیں ناکافی، غیر موثر اور غیر حکیمانہ ہیں اس مقصد کے لیے تمام جدید ذرائع استعمال کرنے کی طرف ان گروہوں کا قطعی کوئی رجحان نہیں ہے۔ فرسودہ طریقے سے رسماً دعوت کا تحوزہ ایہت کام کیا جا رہا ہے معاشرے پر جسکے اثرات نمایت محدود ہیں۔

محکوم دلائل و برائین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ  
بد نظمی، بد امنی، تشدد قانون، شکنی الغرض تمام اخلاقی خرابیاں معاشرے کے رگ و پے میں

سرایت کر جگی ہیں۔ اس زبردست اخلاقی زوال کو نظر انداز کر کے اصلاح و انقلاب کی ہر کوشش سمجھی لا حاصل ہو گی۔ حکومتیں بدل جائیں گی نظام میں بھی تبدیلی آجائے گی لیکن کسی بھی سطح پر بکار میں کمی نہیں آئیں مسائل کم نہیں ہو گئے تباہی و بر بادی کی طرف جاری سفر نہیں رکے گا بلکہ کیفیت یہ ہو گی کہ شاعر کے قول

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دو اکی

حالات عجین سے عجین تر ہوتے چلے جائیں گے ما یوسی بڑھتی رہے گی۔ آپ خود سوچیں کہ خون کے کینسر کو نظر انداز کر کے کیا کسی جسم کو صحمند بنایا جاسکتا ہے اگر کوئی ایسا کرے تو آپ اسکے بارے میں یہی کہیں گے تاکہ اسے در پیش چیخن کا دراک نہیں ہے۔ معاشرے کی اخلاقی حالت بہتر بنائے بغیر لوگوں کو تعلیم اور شعور دیئے بغیر بہتر سے بہتر نظام زندگی بھی بس ایک کام کر سکتا ہے اور وہ بے بکار میں اضافہ۔

صحیح العقیدہ دینی گروہوں کو اگر اس چیخن کا دراک ہوتا تو وہ اپنے تمام ذرائع وسائل دعویٰ اور تعمیری کاموں میں استعمال کرتے۔ فکری انتشار، تنگ نظری اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے بھی اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی۔ عصر حاضر کے مژاج، مبنی الاقوای حالات کو سمجھتے ہوئے ثابت لائے عمل کی ضرورت ہے۔ اسلام کی ائمہ اور آفاقی دعوت کا حکیمانہبلاغ کیا جانا چاہیے تھا بیان کرنے کے لیے اسے عصری اسلوب میں ڈھالنے کی ضرورت تھی۔ باطل عقیدوں اور گمراہ کن خیالات کا علمی تعاقب کرنے کا وقت تھا۔ اسلام سے متعلق جدیدہ، ہن کی تشكیل دور کرنے اور اسلام کی صداقت پر یقین مستحکم کرنے کے لیے قرآن و حدیث پر علمی و تحقیقی کام کی ضرورت تھی۔ باطل فرقوں کی لا تعداد کتابیں ہیں جنکا جواب صحیح العقیدہ لوگوں پر قرض ہے یہ قرض چکانا چاہیے تھا۔ لوگوں کی دنیاوی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ایسے فلاجی اداروں کا نیٹ ورک قائم کرنے کی ضرورت تھی جو لوگوں کو سیکولر اداروں سے بے پرواہ کر دیتے۔ حالانکہ اس وقت بر عکس طور پر یہ صور تحال ہے کہ عوام الناس اپنی مختلف دنیاوی ضروریات کے لیے سیکولر اداروں کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہیں۔ صحت

عامہ کے شعبے میں اگر عوامی خدمات انجام دنے رہے ہیں تو وہ سیکولر ادارے ہیں تیکم خانے، خواتین کے دارالاہمان ہوں یا غریبوں کی کفالت کے معاملات اس میں پیش پیش سیکولر شخصیات اور ادارے ہیں بے آسر اور غریب لوگوں کو ہنر سکھانے کے ادارے ان ہی لوگوں نے کھوئے ہوئے ہیں۔ محدود اہم اعلیٰ چیزوں کی فلاج کے لیے کوئی میدان میں ہے تو یہی ادارے۔ اسی طرح قیدیوں کے مسائل کے لیے کوئی امتحانہ ہے تو وہی حالانکہ یہ سب وہ کام تھے جو صحیح العقیدہ دینی گروہوں کو کرنے چاہیے تھے یہ اسلام کی دعوت کے فروع میں زبردست معاون ثابت ہو سکتے تھے۔ الفرض ہماری دینی جدوجہد کی سمت اور کارکردگی بتاتی ہے کہ ہماری دینی تحریکوں کو دور جدید کے چیلنجز کا اور اک حاصل نہیں ہے۔

**کم علم اور جذباتی کارکنان :-**

کتنا بڑا الیہ ہے کہ دینی گروہ عوام الناس کی اخلاقی تربیت تو کیا کرتے وہ اپنے ان کارکنان کی شخصیات میں اسلامی اخلاق پیدا نہیں کر سکے جو دل و جان سے ان گروہوں میں شامل ہیں اور ایثار و قربانی کا بے مثال مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ کارکنان کی تعلیم و تربیت کا کوئی مستقل نظام موجود نہیں ہے۔ کارکنان کو حصول علم کی ترغیب دلانے اور اسکے موقع فراہم کرنے کے جائے انسیں غیر علمی سرگرمیوں میں الجھاد یا جاتا ہے۔ کارکنان میں علمی طرز فکر پیدا کرنے کے جائے انکی آنکھوں پر گروہی تعصبات اور جانبداری کی عینک چڑھادی جاتی ہے اسکے لیے قبل اعتبار علم کا واحد ذریعہ انکے لیڈر کے خیالات اور انکی روشنی میں ترتیب پایا ہوا لڑپچرہ جاتا ہے۔ علم کے دیگر سرچشمتوں اور ذرائع سے انہیں محروم کر دیا جاتا ہے۔ گروہی فکر ہی انکے لیے حق و باطل کا پیارہ عن جاتی ہے۔ کارکنان کے دماغوں پر تلقید کا ایسا خول چڑھادیا جاتا ہے جسکی وجہ سے صرف انکی دماغی نشوونما ک جاتی ہے بلکہ اس غیر فطری روک کی وجہ سے دماغ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ اپنی کم فہمی اور محدود علمی کے باوجود اپنے حق ہونے کا یقین کیتے پیٹھا ہوتا ہے اور اسکا یہ یقین فخر اور غرور کی حد تک جا پہنچتا ہے۔ یہ گروہ اپنے کارکنان کو علم کے سندر سے برادر است سیراب ہونے کی ترغیب دلانے

کے جانے اُنکے اور علم کے درمیان آجاتے ہیں اور اس بات پر خوش رہتے ہیں کہ اُنکے کارکنان کنویں کے مینڈ ک بنے رہیں۔

کارکنان کی کم علمی کافطری نتیجہ تعصب جزباتی پن اور تشدید کی صورت میں لفتاتا ہے۔ ایک طرف وہ یقین کیے بیٹھے ہوتے ہیں کہ اس ہم ہی سچائی کے حامل ہیں دوسری طرف جب ان پر کوئی جائز علمی تنقید کی جاتی ہے جس کا اُنکے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا تو وہ بھٹھلا کر جزباتی ہو جاتے ہیں اور تشدید پر اتر آتے ہیں۔ یہ کارکنان اپنی گروہی فکر و نظر یے گروہی پالیسیوں اور اپنی قیادت کے خلاف کوئی بات سننا اور اس پر محدثے دل و دماغ سے غور کرنا گوارہ نہیں کرتے۔

اس سے بڑھ کر الیہ کیا ہو گا کہ جو کارکنان قرآن کا قانون ہافذ کرنے کے بغیر لگاتے ہیں اسلامی انقلاب کے دعوے کرتے ہیں انہوں نے خود پورے قرآن کا ترجمہ بھی کبھی نہیں پڑھا ہوتا قرآن کو سمجھنا اور اس پر غور و تدبر کرنا تدور کی بات ہے۔ اُنکا قرآن و حدیث کا فرم صرف ان مخصوص آئیوں اور حدیثوں تک محدود ہوتا ہے جو اُنکے گروہی نظریات کو تقویت دیتی ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ تبلیغی جماعت کے کارکن کی زبان پر کتم خیرامہ اخراجت للناس کی آیت سن سکتے ہیں اور جہادی کارکنان کی زبان پر کتب علیکم القتال کی آیت جاری ہو گی اور سیاسی ذہن رکھنے والے کارکنان آپکو قرآن کی یہ پکارنا میں گے ہوالدی ارسیل رسول ﷺ یا ”اے ایمان والو! حق کی گواہی دینے والے من کر کھڑے ہو جاؤ۔“ یہ ہیں مذہبی جماعتوں کے کارکنان کے علم کی حدیں اُنکے بعد اُنکی لا علمی شروع ہو جاتی ہے اور تشویشناک بات یہ ہے کہ اس خوناک لا علمی کا انہیں کوئی احساس دلانے والا نہیں ہے۔ اسلام کی سربندی کا جذبہ رکھنے والے مختلف جماعتوں کے مذہبی کارکنان کو پورے معنوں میں اسلامی اخلاق کا حامل ہونا چاہیے تھا لیکن افسوس مختلف مذہبی گروہوں نے اپنے کارکنان میں جو اخلاق پیدا کیا ہے وہ صرف ایک گروہی اخلاق ہے۔ سچائی امانت، دیانت، عمد، پاکداری، رحمتی، انصاف وغیرہ جیسی اخلاقی صفات اپنے گروہ کی حد تک محدود ہو گئی ہیں۔

شوری یا لاشوری طور پر کارکنان یہ سمجھتے گلے ہیں کہ اپنے گروہ کے اندر معاملات میں بچ ہونا ہے لیکن گروہ سے باہر کی دنیا میں جھوٹ ہونا کوئی بری بات نہیں۔ انہیں اپنی جماعت کے لوگوں کی غیبت نہیں کرتا جماعت سے باہر عام مسلمانوں کی غیبت جائز ہے یعنی اس قسم کا دوہرا معيار نہ ہبی کارکنان میں فروغ پاچکا ہے یہ وجہ ہے کہ یہ عموماً اپنی جماعت کے لوگوں کے توجیخ خواہ ہوتے ہیں ایکی عزت و احترام کرتے ہیں اُنکے ساتھ انصاف اور دینداری کا معاملہ کرتے ہیں اُنکے حقوق کا خیال رکھتے ہیں لیکن باہر کی دنیا میں عام لوگوں سے معاملات کرتے ہوئے انکا اخلاق یکسر تبدیل ہو جاتا یہ بہت بڑی وجہ ہے نہ ہبی جماعتوں کی معاشرے میں غیر مؤثر ہونے کی قرآن کی تعلیمات اور نبی علیہ السلام کا طرز عمل بتاتا ہے کہ اسلام کا مطلوب اخلاق عدل و انصاف پر بنی اخلاق ہے حق بات اس صورت میں بھی کہنی ہے جبکہ وہ خود اپنی ذات اور اپنے گروہ کے خلاف جاہی ہو۔ عمد کی پاسداری ہر صورت میں غیر مسلموں کے ساتھ بھی اسی طرح کرنی ہے جس طرح کسی مسلمان کے ساتھ۔ خود نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی امنیتیں اپنے پاس رکھا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ مکہ والے آپ صادق اور امین کہہ کر پکارتے۔ مسلمان اور غیر مسلم کے بھگڑے میں آپ نے غیر مسلم کے حق میں فیصلہ دیا غیر مسلموں کے ساتھ جتنے معاہدے ہوئے آپ نے یکطرفہ طور پر ان کی پاسداری کی۔

الفرض دین کے حوالے سے کام کرنے والے نہ ہبی گروہوں کے جائزے میں کارکنان کی کم علمی جزباتی پن اور اخلاق کا دوہرا معيار جیسی خصوصیات تشویشناک ہیں علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی ترب پہلے اپنے پیکر خاکی میں جان پیدا کرے دین کے لیے کام کرنیوالے ہر کارکن کو علامہ اقبال نے نہ کوہ نصیحت کی ہے۔ جو لوگ واقعی دین کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں انھیں علمی استعداد بڑھانے اور عملی صلاحیتوں کو نشوونما دینے پر توجہ دینا ہوگی۔

## چو تھا باب

### کرنے کا کام

عمومی طور پر جب معاشرہ بگاڑ میں بیٹلا ہو جائے تو کرنے کا کام صرف ایک ہوتا ہے اور وہ ہے ”ایک زبردست حقیقتی دعویٰ تحریک برپا کرنا“۔ اصل میں عملی بگاڑ کی حیثیت تو صرف علامات کی ہے: ہماری کاسر چشمہ تو قلب و ذہن ہیں یہیں تواصل میں بگاڑ کا پودا آلتا ہے اور پھر عمل کی صورت میں برگ و بارلا تاتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے جب صحابہ کرامؐ کو یہ خبر دی کہ ایک وقت وہ آئے گا جب کافر قومیں چاروں طرف سے مسلمانوں پر ثوٹ پڑیں گی۔

صحابہ کرامؐ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس وقت مسلمان تین سو تیرہ بھی نہیں ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں مسلمان کثرت سے ہوں گے لیکن ان کے دونوں میں دنیا کی محبت موت سے کربابت پیدا ہو چکی ہو گی۔ گویا نبی علیہ السلام کے نزدیک مسلمانوں کے زوال، پیشی اور مغلوبیت کا سبب باہر کی دنیا میں نہیں بلکہ ہر مسلمان کے دل کی دنیا میں ہو گا۔ اس طرح نبی نکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حالات میں کرنے کے اصل کام کی بھی نشاندہی کرو یہ ہے اور وہ ہے دل و دماغ کی پاکیزگی کی جدوجہد ایمانی اعتبار سے دل کی دنیا اس وقت دیران ہو جاتی ہے جب اس میں سے آخرت کی فکر اور اللہ کا خوف نکل جائے۔ اور اس کی جگہ دنیا کی محبت لے لے۔ بغیر زمین پر فصل اگانے کی ہر کوشش ہاکام ہوتی ہے اگر آپ واقعی فصل اگانے میں مخلص ہیں تو پہلا کام آپ کو زمین زرخیز ہنانے کا کرنا ہو گا۔ اسلامی انقلاب کے لیے فی الوقت دلوں کی سرزی میں زرخیز اور قابل کاشت ہنانے کی ضرورت ہے۔

قرآن کریم کے مطابق دل پھر کی طرح سخت ہو جاتے ہیں۔ یہ دیوں کے بارے میں

فرمایا:

”پھر اس کے بعد تمہارے دل پھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت  
 (البقرہ: ۷۳) ہو گئے“

اور جب دل سخت ہو جائیں تو اعمال صالحہ اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ ایسے میں اعمال صالحہ کی طرف لوگوں کو بلانا نیچے کے اعتبار سے ایسا ہے جیسے پھر سے سر نکرانا۔ جب دلوں میں دنیا کی محبت بھر چکی ہو، گناہوں کے زنگ نے پوری طرح دل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ اللہ کی یاد میں کبھی آنسو کا ایک قطرہ نہ میکتا ہو، اللہ کا قرآن سن کر ”وَحَلتْ قُلُوبُهُمْ“ (ان کے دل ڈر جاتے ہیں) کی کیفیت طاری نہ ہوتی ہو یہ صور تھال اس بات کا پورا شہود ہے کہ دل سخت ہو گئے ہیں اور ہمارے معاشرے میں عمومی طور پر یہ کیفیت پیدا ہو چکی ہے دین بے روح رسومات کا مجموعہ عن کر رہ گیا ہے۔ عبادات میں خشوع و خضوع معموق ہو چکا ہے۔ اعمال صالح بد نیتی کی وجہ سے برے اعمال والے نتائج پیدا کر رہے ہیں اللہ کی یاد میں رونے والی آنکھیں موجود نہیں، اللہ کے ذکر سے ڈر اور کانپ جانے والے قلوب نایاب ہیں ایسے ایماندار آئے میں نمک کے برادر نہیں قرآن پڑھ کر جن کے ایمان پڑھ جاتے ہوں۔ چکاڑ کی شاخیں جس شکل میں بھی موجود ہیں ان کی جزو قلب کی سرزیں میں ہی پیوست ہے۔

زنگ آکو دل کو دھونا پھر دلوں کو زمانا، یہ ہے دعوت کا اصل حدف جو ہمیں اختیار کرنا ہے۔ یہی وہ کام ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں ترکیہ قرار دیا گیا اور جسے کارنبوت میں سرفراست رکھا گیا۔ دعوت کے اس اصل حدف کا حصول کس طرح ممکن ہے اس کے لیے کس قسم کی دعوتی مساعی کی ضرورت ہے دعوت کے موضوعات کیا ہونے چاہیں۔ دعوت کا طریقہ کار کیا ہونا چاہئے۔ اس کام کے لیے کس کس قسم کی صلاحیتیں درکار ہیں؟ یہ وہ اہم سوالات ہیں جن پر غور کر کے جوابات حاصل کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

### عزم :

جو لوگ دعوت کے اس عظیم مقصد کو اختیار کریں اور اس کے اصل حدف کو حاصل کرنا چاہیں تو ان کے لیے پہلی ضرورت ایک مضبوط عزم کی ہے۔ عزم واروے کی پختگی

بہترین رہنمائی ہے صحیح لائجہ عمل اختیار کرنے کے لیے۔ مقصد سے گری دلچسپی اور اسے حاصل کرنے کا مضبوط ارادہ صلاحیتوں کو دو چند کرو دیتا ہے۔ مضبوط عزم سے ہی راستے میں آنے والی مشکلات اور تکالیف کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے یہ انسان کی ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

عزم و ارادے کی مضبوطی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اپنے مقصد کا آپ کو کس قدر شعور ہے اور وہ مقصد آپ کے نزدیک کتنا اہم ہے۔ لہذا آپ کو سب سے پہلے خود اپنے آپ کو اس مقصد کی ضرورت و اہمیت پر تاکل کرنا ہو گا۔ اگر آپ دین کے اس اہم تقاضے کو جان گئے ہیں جس کا تذکرہ پہلے باب میں کیا گیا ہے یعنی دین کے غلبے و فروع یا سر بلندی کی جدوجہد سے بغیر اخروی نجات ملکوں کے ہے ایمان کے اس تقاضے کی تکمیل اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ کسی اور فرض کی ادائیگی تو پھر آپ کے نزدیک دعوت کا کام ایک اہم کام ہو گا جس کے لیے آپ اپنے عزم و ارادے کو مضبوط کرنے کی ضرورت کا احساس کریں گے۔

اگر آپ انسانیت کا در در رکھتے ہیں اس کی خیر خواہی کا کوئی بھی جذبہ آپ میں موجود ہے۔ لوگوں کی گمراہی آپ کو غمزدہ کرتی ہے معاشرے میں پھیلا ہوا بھاڑا آپ کو بے چین اور مضطرب کرتا ہے لوگوں کو معاشی و معاشرتی مسائل میں گمراہواد کیکہ کر آپ پر یہاں ہوتے ہیں تو یہ بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ اپنے عزم و ارادے کو مستحکم رکھ سکتے ہیں بھورت دیگر آپ میں مضبوط عزم پیدا نہیں ہو سکتا۔

اسی مقصد کے لیے آپ کو یہی تکمیل کی جائیں کہ وہ اسی ایجاد کرنا ہو گی۔ اپنے اندر احساس پیدا کرنا ہو گا۔ لوگوں کو جہنم کی طرف یو ہتھے ہوئے دیکھیں یہ اس جہنم کی طرف جا رہے ہیں جس کی آگ جسم کو جھلسادینے والی ہے۔ جہاں کا عذاب مسلسل اور دائی ہے۔ ساری زمین کی دلائی بھی جرمائے کے طور پر ادا کرنے کے باوجود اس ہولناک عذاب سے نجات نہیں مل سکتی۔ جیسا کہ آپ کے بہت سے رشتے دار آپ کے بہت سے محلے والے اور دوست احباب اور جن کے ساتھ آپ کے معاملات رہتے ہیں وہ عقیدوں کی خرافی اور بد اعمالیوں کی وجہ سے ایسی ہی جہنم

کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ کیا آپ کے دل میں ان کے لیے کوئی رحم نہیں ہے؟ زرالانے آپ سے پوچھئے آپ نے اب تک ان لوگوں کی اصلاح کے لیے کیا کیا۔ اکیلے آپ ان لوگوں کے لئے بہت کچھ کر بھی نہیں سکتے اس کے لئے ایک زبردست اجتماعی و عوتی تحریک کی ضرورت ہے جو دعوت کے لیے تمام جدید اسلوب اور زرائع اختیار کرے۔

### دعوت کے ترجیحی موضوعات:

عام طور پر ہمارے ہاں دعوت کے عنوان سے جو سرگرمیاں انجام دی جاتی ہیں ان میں زیادہ تراختلافی موضوعات کو زیر بحث لایا جاتا ہے اس میں اپنے مسلک یا اپنی جماعت کی بڑائی بیان کی جاتی ہے عقیدہ و اعمال کی اصلاح کی طرف توجہ بہت کم ہے۔ دعوت کے لیے غیر ترجیحی موضوعات اختیار کرنے کا نتیجہ ہے کہ صحیح العقیدہ لوگ اخلاق کے اعتبار سے آئینہ میں کردار سے حد درجہ نیچے جا چکے ہیں۔ اعمال صالح کی طرف توجہ بہت کم ہے۔ اکثریت فخر اور غرور میں مبتلا ہے اپنے حق ہونے پر نازاں ہے اور یہ یقین کئے بیٹھے ہیں کہ ہم نے قبلاً خرجنت میں جانا ہے جنم میں اگر گئے بھی تو بہت تھوڑے عرصے کے لیے۔ انہیں یہ اندازہ نہیں ہے کہ ایک دن کی جنم بھی کس قدر ہونا کہ ہو گی۔

علماء کرام نے اختلافی موضوعات کو اتنی تحریر کے ساتھ بیان کیا ہے اور اتنی شدت کے ساتھ لوگوں کو اپنے حق ہونے کا یقین کر لایا ہے کہ اب صور تحال یہ ہے کہ عام لوگ اپنی بد عملیوں اور بد اخلاقیوں کے باوجود اپنی آخرت کے حوالے سے مطمئن ہیں۔ فخر اور غرور کی نفیات میں مبتلا ہونے کے بعد کسی سے بد سلوکی اور بد اخلاقی کوئی معیوب بات نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ خود علماء کرام عوام کے ”حسن سلوک“ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ عوام میں ہذا ایک اپنے طور پر مفتی اور عالم عن گیا ہے۔ علماء کرام کا احترام کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔

یہ یقینی اور فطری نتیجہ ہے اس تربیت کا جو علماء کرام عرصہ دراز سے محراب و منبر سے

کرتے آئے ہیں۔ دنیا دار لوگوں کو ان کے حق ہونے کے خبط میں بھلا کر دینا اور انہیں جنت کی بشارتیں نہ دینا ایسا ہی ہے جیسے روایت کے مطابق راہزرن کو تلوار بازی کی تربیت دے دیتا۔ اگر لوگوں کے دلوں کا ترزیہ کر کے ان کی صحیح تربیت کی جاتی تو ”اہل حق“ ہوں ان کے لیے فخر کا ذریعہ نہ ہو تا بلکہ ایک بہت بھاری ذمہ داری کا احساس ہو تا پھر لوگوں میں غرور تکبیر پیدا نہ ہو تا بلکہ عاجزی و انساری پیدا ہوتی وہ اچھے اخلاق سے بے بہر نہ ہوتے بلکہ حسن اخلاق کے مالک ہوتے۔ اس لئے دعوت کی کسی ممکن پر نکلنے سے پہلے دعوت کے ترجیحی موضوعات کا تعین کر لینا نامایت ضروری ہے اور یہ تعین قرآن و حدیث کی روشنی میں ہی ہونا چاہیے۔

### توحید اور معرفت اللہؐ :

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ انبیاء علیہ السلام اپنی دعوت کا آغاز توحید ہی سے کرتے تھے۔ سورۃ الاعرف، سورۃ حود اور سورۃ الشراءع میں متعدد انبیاء اور ان کی دعویٰ جدوجہد کا مذکورہ ہے اور ہر نبی کی پہلی پکار انہی الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ :

لَقَوْمٌ اعْبَدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَهٌ غَيْرَهُ

ترجمہ : اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سواتھ مارا کوئی معبد نہیں ہے۔

عقیدہ کیوں کہ اعمال کا محرك ہے اور اسلام کی سب سے زیادہ مطلوب چیز ہے اس لئے انبیاء نے اہتمام اعمال کو نشانہ بنائے کے جائے عقیدوں کو نشانہ بنایا وہ جانتے تھے اعمال کی اصلاح قلوب کی اصلاح سے بغیر تا پائیدار اور عارضی ہوتی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ دین اور دنیا دونوں کی بھلائی اس میں ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے اور وہ جان جائیں کہ وہ اللہ اپنی ذات اور اپنی صفات میں یکتا ہے اس جیسا کوئی نہیں ہے اس کی خدائی میں کوئی اور شریک نہیں ہے۔

انبیاء اس دنیا میں آتے رہے اور اللہ وحدہ لا شریک کا تعارف کرتے رہے۔ ذرا ملاحظہ کیجئے سورہ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو کیا دعوت دے رہے ہیں۔

”نوح نے کہا، اے میری قوم! میں تمہیں صاف ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اسی سے ڈرو اور میرا کھنا مانو، تو وہ تمہارے گناہ ٹیش دے گا اور تمہیں ایک وقت مقرر تک چھوڑ دیگا۔ یقیناً جب اللہ کا وعدہ آجاتا ہے تو موقوف نہیں رکھا جاتا کاش تمہیں سمجھہ ہوتی۔“ (سورہ نوح: ۲۶۲)

آگے چل کر اللہ کا تعارف کرتے ہوئے کہتے ہیں،

”تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کو بزرگی کا عقیدہ نہیں رکھتے؟ حالانکہ اس نے تمہیں مختلف طور سے پیدا کیا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کر دیے اور ان میں چاند کو خوب جگہ کا تباہیا اور سورج کو روشن چراغ اور تم کو زمین سے ایک خاص طریقے سے پیدا کیا اور پھر تمہیں اسی میں لوٹائے جائیگا اور ایک خاص طریقے سے پھر نکالے گا اور تمہارے لیے زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنادیا تاکہ تم اس کی کشادہ را ہوں میں چلو پھردو۔“

(سورہ نوح: ۲۰۱-۲۰۲)

یعنی انبیاء کرام کی ابتدائی دعوت میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اس کی ذات و صفات کا تعارف اس کی توحید، اس کی منشاء کا اظہار بہت واضح نظر آ رہا ہے۔ نزول کے اعتبار سے قرآن مجید کا ابتدائی حصہ بھی اسی قسم کے موضوعات سے بھرا ہے قرآن مجید میں عقیدے کی بحث دوسرے تمام موضوعات پر غالب ہے قرآن کریم کا پیشتر حصہ اللہ تعالیٰ کے تعارف پر مبنی ہے مثلا سورہ الانعام میں فرمایا:

”اس کے پاس غیب کی سنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جزو در میں جو کچھ ہے وہ سب سے واقف ہے درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پر دوں میں

کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو خشک و تر سب کچھ ایک سکھی کتاب میں لکھا ہوا ہے وہی ہے جو رات کو تمہاری رو جیس قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے پھر دوسرے روز اسی کاروبار کے عالم میں تمہیں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ تمہیں بتادیگا کہ تم کیا کرتے رہے ہو اپنے بندوں پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے مقرر کر کے بھیجا ہے یہاں تک کہ تم میں سے جب کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اس کے پیچے ہوئے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں اور اپنا فرض انعام دینے میں مدد کرتا ہے اسی کی وجہ سے جو کچھ ہو جاؤ فیصلے کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں اور وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔ (سورۃ الانعام : ۶۹ تا ۵۶)

امام کے ابتدائی دور میں کثرت کے ساتھ ان جیسی آیات نازل ہوئیں جن میں لوگوں کو بتایا گیا کہ تمہیں جس اللہ کی طرف بلا یا جا رہا ہے اس کی ذات کن کن صفات کی حامل ہے اس کے اختیارات کماں تک ہیں اس کا علم کتنا ہے اس کا حکم کس کس پر چلتا ہے۔ اس کی قدرت کی لا تعداد نشانیاں کس طرح زمین و آسمان میں ریت کے ذریعوں کی طرح بھری پڑی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت حاصل کئے بغیر اس کے ساتھ تعلق اتنا ہی نہیں رکھی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ کا تعارف جتنا زیادہ ہوتا جاتا ہے اس کے ساتھ تعلق اتنا ہی مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ آج کا ملیہ یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لانے والے تو بہت ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو جانتے والے بہت کم ہیں اور ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کو جانے بغیر اللہ پر مضبوط اور غیر مترازل ایمان رکھنا ممکن نہیں اسی لیے عقیدوں میں شرک شامل ہو جاتا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کا تعارف حاصل کر لیتے ہیں وہ لوگ جانتے ہیں کہ اس جیسا کوئی اور

ہو نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ تمہاز میں و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے سب کا خالق ہے باقی ہر چیز اس کی مخلوق ہے اس کے حکم کی پابند ہے اس کے ساتھ مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتی کائنات کے ذرے پر اس کا اختیار ہے وہ جان لیتے ہیں اس اللہ کو چھوڑ کر کائنات کے کسی حصے میں کہیں کوئی جائے پناہ نہیں اس کے سواد عاؤں کا سنتے والا اور بھجوی بنتے والا کوئی نہیں جو کچھ ملتا ہے اسی کے درسے اور اسی کی مرضی سے ملتا ہے اس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے انبیاء، اولیاء اور تمام صالحین اس کے بعدے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مرضی کی خلاف خود بھی کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کو جان لینے کے بعد جو عقیدہ بنتا ہے وہ مضبوط عقیدہ ہوتا ہے۔ پھر باطل پرستوں کا تشدد اور ایذا میں بھی اس کو بدلتی نہیں پاتیں۔ دھونس دھنکی، لالج کوئی بھی چیز عقیدے میں گھاڑ کا سبب نہیں بنتی۔ اپنا علاقہ، اپنا کاروبار، اپنا عیش و آرام، اپنا گھر اور مال و دولت آدمی سب کچھ لٹا دیتا ہے لیکن اپنے عقیدے کو تھامے رکھتا ہے۔ مصیتیں اسے اللہ کے اور زیادہ قریب کر دیتی ہیں۔ تکلیفیں اور ازیتیں اس کے عقیدے میں مضبوطی کا سبب ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے اور اس کو جاننے کے عملی زندگی پر جواہرات پڑتے ہیں وہ نہایت حیرت انگیز ہیں عملی زندگی کا نقشہ یکسر بدلتا جاتا ہے۔ غرور، تکبر اور سرکشی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا خیال دل میں بیٹھنے سے اپنی بڑائی کا تصور احمقانہ حد تک فضول من جاتا ہے۔ اللہ کے تعارف میں جب وہ جانتا ہے کہ اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے وہ ہر لمحے ہماری نگہبانی کر رہا ہے ہمارا ہر عمل اس کے علم میں ہے اور اس نے جلد ہی ان اعمال کا حساب لینا ہے تو قدرتی طور پر آدمی کسی سے بد سلوکی کرتے ہوئے، کسی پر ظلم کرتے ہوئی کسی کو گالی دیتے ہوئی، کسی کامل غصب کرتے ہوئے ذرے گا اور اس قسم کی حرکتوں سے اجتناب کرے گا۔ جب انسان جانے گا کہ اللہ کے سامنے کسی کا پس نہیں چلا تو پھر وہ تمام معبدوں ان باطل سے تعلق توڑ کر صرف اللہ ہی کے آگے سر جھکائے گا اور اس کو راضی کرنے کی کوشش کریگا۔

جب اسے پتہ لگے گا کہ کائنات کے تمام خزانے اسی کے ہاتھ میں ہیں اس کے علاوہ کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں وہی دعاوں کو سنتا ہے اس کے سوا کوئی سننے والا نہیں تو پھر وہ ہر مصیبت کے وقت اللہ ہی کو پکارتا ہے جھوٹے خداوں سے تمام امیدیں توڑ لیتی ہے۔ اس طرح اس کے اعمال ان تمام شر کیہ رسم و رواج سے پاک ہو جاتے ہیں جو پہلے وہ اپنے جھوٹے خداوں کی خونشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا کرتا تھا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے ایک پیش گوئی کی تھی جو آج حقیقت کا

روپ دھار چکی ہے :

ترجمہ : عقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذاتوں میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے گا کہ حق یہی ہے۔  
(سورہ حم السجدہ : ۵۳)

فلکیات، نباتات، حیوانات اور ارضیات سے متعلق علوم میں جدید تحقیقات اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے ناقابل تردید دلائل فراہم کرتی ہیں آج لوگوں کو اللہ کا قائل کرنا پہلے کی نسبت آسان ہو گیا ہے جدید تحقیقات نے اللہ تعالیٰ کی اتنی زیادہ نشانیاں آشکار کر دی ہیں کہ ایک باشур انسان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے۔ دور حاضر میں توحید اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے موضوع کو عصری دلائل سے مزین کرنا چاہیے۔ یہ دراصل وہ کام ہے جسے آپ اسلامی تعلیمات کو عصری اسلوب میں ڈھالنے کا کام کہ سکتے ہیں اس طرح دعوتی عمل بہت زیادہ تیز ہو جائیگا۔ جدید زہن رکھنے والوں کو اسلام کی دعوت بڑی آسانی سے اپیل کر سکتے گی۔ الغرض توحید اسلام کی ہیjad ہے اسلام کا پہلا ستون ہے اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا مطالبہ بلکہ حق ہے آخرت میں نجات کی لازمی ضرورت ہے اور دنیاوی فلاح کا اس پر دار و مدار ہے اس لیے دعوت میں سب سے زیادہ غالب عنصر توحید ہی کا ہونا چاہیے۔

## آخرت :

انبیاء کرام کی دعوت میں جو دوسری ترجیح نظر آتی ہے وہ آخرت کا تصور عام کرنا ہے یعنی لوگوں کو اس بات کا یقین دلانا کہ یہ دنیا کی زندگی اور حتمی نہیں ہے بلکہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور تم سے تمہارے ان اعمال کا منصفانہ حساب لیا جائے گا جو تم کرتے تھے قرآن کریم کا بھی یہ خاص موضوع ہے کہی دور میں نازل ہونے والے قرآن کا ہر صفحہ آخرت کے تصور کو اجاگر کرتا ہے۔ صحیح البخاری کی ایک طویل حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

”قرآن میں پہلے مفصل کی سورتیں اتریں۔ ان میں جنت اور جہنم کا ذکر تھا۔ یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف رجوع ہو گئے تو حلال و حرام کے احکام اترے اگر شروع ہی میں اترتا کہ شراب چھوڑ دو تو لوگ کہتے ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے اگر شروع ہی میں اترتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے ہم کبھی زنا نہ چھوڑیں گے۔“

اس حدیث سے اس حکمت کا بھی پتہ لگتا ہے جو خود خالق کائنات نے اختیار کی یعنی پہلے عقیدے کی اصلاح بعد میں کچھ اور۔ اصل بات یہی ہے عمل میں لگا تو عقیدے کی خراہی ہی کی وجہ سے ہوتا ہے عقیدہ درست کر دیا جائے تو عمل خود درست ہو تا جلا جاتا ہے آخرت کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے یہ بھی اعمال صاف کا طاقتوں محرک ہے۔ آخرت میں جو بلد ہی کا احساس ظلم و زیادتی سے چاکر اللہ کی فرمانبرداری کے کام کرنے پر اکساتا ہے۔ آج بھی پوری وضاحت اور تکرار کے ساتھ عقیدہ آخرت کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ نبی علیہ السلام کی تربیت تھی کہ صحابہ کرام کے پیش نظر ہمیشہ انکا انخروی مفاد رہا تھا۔ دنیا سے بے رغبتی اور جنت کی حرص ان کی شناخت تھی اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ہر وقت ڈرتے رہتے تھے۔ فکری بنیاد میں ہی اس دور میں مسلمانوں کی ترقی، کامیابی اور طاقت کا سبب تھیں۔ ایک

اُسی طاقت کا جس سے اس دور کی بڑی بڑی مملکتیں خوفزدہ تھیں۔

### رسالت :

اللہ کا کلام اسی وقت قابل اعتبار شرے گا جبکہ ہمیں یقین ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھی ہوئے پچھے رسول ہیں۔ اسلام میں رسالت کا عقیدہ بھی بنیادی عقائد میں شامل ہے اور اسلام لانے کے لیے ضروری ہے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے وحدہ لا شریک ہونے کی گواہی دی جائے بلکہ محمد ﷺ کے اللہ کے رسول ہونے اور اس کے ہندے ہونے کی گواہی بھی دی جائے۔

عقیدہ رسلت ایمان اور یقین کے پہلو سے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ رسالت کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کے لیے بھی کافی علمی کام ہو چکا ہے۔ اس سے استفادہ کر کے لوگوں کے دلوں میں یہ یقین گھر اکر دینا چاہیے کہ عقیدہ رسلت ایک برحق عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم ہی انسانوں میں سے اپنے ایک ہندے کو اس مقصد کے لیے منتخب کیا کہ وہ اللہ کا پیغام نوع انسانی کو پہنچائے۔ اللہ کے پچھے نبی محمد الرسول اللہ ﷺ نے پوری دیانتداری اور ذمہ داری کے ساتھ اللہ کا پیغام پہنچایا اور تمام معاملات زندگی کو اس آئینڈیل طریقے سے انجام دے کر دکھلایا جو خود اللہ تعالیٰ کی مشاء کے مطابق تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو پوری نوع انسانی کے لیے نمونہ قرار دیا اور دنیاوی اور اخروی کامیابی کے لیے اپنے نبی ﷺ کی اتباع کو لازمی قرار دیا۔ اگر یہ یقین ہو کہ نبی ﷺ کی زبان سے جو کچھ نکلا وہ وحی الہی ہے تو پھر قرآن اور حدیث پر زیادہ اعتماد کے ساتھ عمل کیا جاسکے گا۔

### اخلاقی تعلیمات :

انبیاء کرام نے ابتداء میں توحید و رسالت اور آخرت کے عقیدوں کے پر چار کے ساتھ ساتھ عملی اعتبار سے جس چیز کو فروع دیا وہ اخلاقی تعلیمات تھیں۔ لوگوں کو جھوٹ بولنے سے منع کیا گیا دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے روکا، تینیوں، مسکینوں کے ساتھ حسن

سلوک کی ترغیب دلائی، والدین اور دیگر تمام رشته داروں محلہ والوں اور متعلقین کے حقوق ادا کرنے پر اکسایا۔ غریبوں اور مسکینوں پر پیسہ خرچ کرنے کی طرف توجہ دلائی، خود نبی مکرم ﷺ نے نبوت کے ابتدائی زمانے میں توحید و آخرت کے عقائد کے فروع کے ساتھ اخلاقی تعلیمات کو کس طرح شامل کیا اس کا اظہار حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اس جامع تصریر سے ہوتا ہے جو آپ نے نجاشی کے دربار میں اس وقت کی جب مشرکین مکہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی واپسی کا مطالبہ لیکر نجاشی کے دربار میں پیش ہوئے تھے آپ نے فرمایا:

”اے بادشاہ ہم لوگ جمالت کی زندگی بر کر رہے تھے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بے جان ہوں کی پرستش کرتے، مردار کھاتے، ہر طرح کی بے حیائی اور بد کاری کے مرتكب ہوتے، رشتہ داروں کے حقوق بر باد کرتے، پڑوسیوں سے بد سلوکی کرتے اور ہر توی کمزور کو کھا جاتا اسی حالت پر ہم ایک مدت تک رہے یہاں تک کہ اللہ نے ہمارے پاس ہم ہی میں سے ایک رسول پھیجا جس کی عالی نسبی سے راست گوئی سے، امانت و دیانت سے اور جس کی عفت و پاکدا منی سے ہم خوب واقف تھے۔ انہوں نے ہمیں اللہ عز و جل کی طرف دعوت دی تاکہ اسی کو مانیں اسی کو اپنا معبود بنائیں اور ان پتھروں اور دیوی دیویتاوں کو چھوڑ دیں جن کی ہم اور ہمارے اسلام پوچا کر رہے تھے۔ اس پیغام نے ہم کو کچی بات کہنے، امانت میں خیانت نہ کرنے، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے، حرمتوں سے باز رہنے اور خوزیری سے رک جانے کی تعلیم دی اور انہوں نے ہمیں بد کاریوں سے، جھوٹی گواہی دینے سے یقین کمال ہڑپ کرنے سے اور پاک دامن عورت پر بہتان لگانے سے منع کیا۔ انہوں نے ہم کو حکم دیا کہ اللہ واحد کے سوا ہم کسی کو اپنا معبود

نہ ہنا کیں۔ اس کے ساتھ کسی کو ذرا بھی شریک نہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔“

ہمارا موجودہ معاشرہ اخلاقی اعتبار سے بچدا ہوا ہے اس وقت لوگوں کے سامنے اختلافی موضوعات پر تقریر یہ سنانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس وقت لوگوں کا اخلاقی مورال بلند کرنے والے موضوعات پر تقاریر کی اشد ضرورت ہے۔

### قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کی ترغیب :

مسلمان معاشروں میں بجاڑی کی ایک بڑی وجہ قرآن سے دوری ہے۔ مسلمانوں کا زوال پستی اور باطل قوتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی مغلوبیت یہ سب اس وجہ سے ممکن ہوا کہ قرآن کے ساتھ تعلق اور واسطگی آخری حد تک کمزور کردی گئی تھی۔ قرآن مجید میں ہے کہ حشر کے روز اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کی شکایت کرتے ہوئے کہیں گے کہ :

وَقَالَ الرَّسُولُ يَرَبِّ إِنَّ قَوْمِي أَتَحْدُو لَهُذَا الْفُرْقَانَ مَهْجُورًا

**ترجمہ:** رسول کے گاہ کے اے میرے پروردگار! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

موجودہ حالات میں دعوت کے لیے جن موضوعات کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے اس میں قرآن سے واسطگی پیدا کرنے کی ترغیب دلانا نہایت اہم ہے۔ صحیح مجوہی ہماری قوم قرآن کے پیغام سے نا آشنا ہے۔ ساری ساری زندگی گزر جاتی ہے لیکن اکثر پڑھے لکھے لوگوں کا یہ حال ہے کہ ایک مرتبہ قرآن کا مکمل ترجمہ نہیں پڑھا ہوتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ہماری اکثریت قرآن کی اس تاثیر سے مستفید ہونے سے محروم ہے جو قرآن کا اعجاز ہے۔ مطالعہ قرآن انسانی زندگی کا وہ تجربہ ہے جو دل کی دنیابل کر کر دینا ہے ویران زنگ آکدو اور مردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوزاد دینا ہے۔ زنگ اتار پھینتا ہے اسی لیے امور رسالت میں سرفہرست "يَتَلَوُ عَلَيْهِمْ أَنِيَّهُ" کو رکھا گیا۔ یعنی وہ ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔

دل کی صفائی سے بغیر ایمان کے اہم ترین مرافق کی تکمیل ممکن ہی نہیں ہے اور اس صفائی کو بہترین ذریعہ قرآن کا مطالعہ ہے۔ آپ لوگوں کو قرآن کی طرف راغب کر دیں اگر آپ کی کوششوں سے لوگ قرآن پڑھنے اور اس پر غور و فکر کرنے والے ان جائیں تو آپ کے باقی مقاصد خود قرآن پورے کر دیگا۔ قرآن کی تاثیر حیرت انگیز ہے یہ ہڑے ہڑے پتھر دلوں کو موسم کر دیتا ہے۔ نام گرامی سرکشوں کو اپنے آگے سرٹگوں کر لیتا ہے۔ یہ ہڑے ہڑے نافرمانوں کو فرمانبردار بنا دیتا ہے یہ نیا پرستوں کو آخرت پسند بنا دیتا ہے۔ یہ عیش پسند لوگوں کو سادگی اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

آپ قرآن کو ایسی قوم دیں جو اس کی قدر داں ہو قرآن آپ کو ایسی قوم دیگا کہ ساری دنیا اس کی قدر داں من جاتی گی۔

### محوزہ دعویٰ تحریک کی اولین ضرورت :

موجودہ حالات میں جس عظیم الشان دعویٰ تحریک کے برپا کئے جانے کی تجویز ہے اس کی اولین ضرورت داعیانہ ترپ، داعیانہ صلاحیت کی حامل، اسلامی اخلاق کی مالک اور عصر حاضر کی گھری واقفیت رکھنے والے کارکنان کی ایک منظم ٹیم ہے۔ دعوت کا کام اس وقت زیادہ تیز اور نتیجہ خیز نہ جاتا ہے جبکہ اس دعوت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے افراد اور اس کی اجتماعیت جیسی جاگتی صورت میں موجود ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جب الفاظ زندگی کا روپ دھار لیں تب ہی دعوت اور اس کے الملاعن کا حق ادا ہوتا ہے۔

اس وقت دین کے حوالے سے جو کارکنان امت کو دستیاب ہیں وہ ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کرنے اور اسے قائم رکھنے کی الیت کے حامل نہیں ہیں۔ شاید موجودہ کارکنان سیاسی لڑائی لڑ کر حکومت حاصل کر سکتے ہوں لیکن حکومت حاصل کر لیں ہوا اور ایک حقیقی اسلامی انقلاب برپا کر دینادونوں بہت مختلف چیزیں ہیں۔ حکومتیں خادیانی طور پر بھی مل جاتی ہیں لیکن ایک ہمہ کیم اسلامی انقلاب خادیانی طور پر برپا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ہو شمندانہ کوششوں کے باوجود وقت

کے ساتھ ساتھ پروان پڑھتا ہے۔ اس کے اثرات صرف ایوان حکومت تک نہیں ہوتے بلکہ ملک کے ہر براشندے کے دل تک ہوتے ہیں۔ یہ صرف یا سی نظام کی تبدیلی نہیں ہے بلکہ پورے نظام زندگی کی تبدیلی ہے اس لئے ایسی زبردست تبدیلی کو واقعہ بنانے کے لیے روایتی کارکنان ہاکانی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ آئیے مختصر ان صفات اور خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہیں جو مجوزہ شیم اور اس کے کارکنان میں ہونا چاہیے۔

(۱) آخرت کی فکر : آخرت زندگی کا سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہو۔ آخرت کی ایسی فکر ہوجو ہر وقت ذہن پر طاری رہتی ہو، ہر معاملہ کرتے ہوئے وہ اپنی آخرت کا منشاء پیش نظر رکھتا ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی معرفت : اللہ تعالیٰ کی طاقت، قدرت، اسکے اختیارات اس کی ذات اور صفات کا حقیقی شعور رکھتا ہو۔ اس کی معرفت مخفی علم کی سطح تک نہ ہو بلکہ وہ ان قلبی کیفیات کا تجربہ بھی رکھتا ہو جو اللہ تعالیٰ معرفت حاصل ہونے پر پیدا ہوتی ہیں۔

(۳) اسلامی اخلاق کا حامل : سچا اور امانتدار ہو، عادل ہو، ووسروں کا خیر خواہ ہو۔ بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں پورا ذمہ دار ہو۔ کسی پر ظلم و زیادتی حق تلقینہ کرتا ہو۔ وعدوں کا پابند ہو۔ معاملات کا کھرا ہوبات کا پکا ہو الغرض تمام اخلاقی صفات کا حامل ہو اور اس کا یہ اخلاق صرف اپنے ہم جماعت یا ہم مسلک لوگوں کے ساتھ نہ ہو بلکہ ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے وہ اخلاقی تعلیمات کو پیش نظر رکھنے والا ہو۔

(۴) داعیانہ تڑپ : لوگوں کی خیر خواہی کا جذبہ حد درجہ موجود ہو۔ لوگوں کی گمراہی پر کڑھنے والا ہو اسے لوگوں کے مسائل پر دکھ ہوتا ہو۔ باطل کاغذی اور فروغ اسے بے چین رکھتا ہو۔ مسلمانوں کا زوال اور ان کی حالت زار اسے مضطرب کر دیتی ہو۔ حالات کا بگاڑا اس میں مزید تو انہیں بھر دیتا ہو۔ مایوسی کن صورت حال اسے اور زیادہ فعال اور سرگرم کر دیتی ہو۔

(۵) دین کا علم : دین کے علم سے بغیر دین کے لئے جدو جمد عجیب بات ہے جو دین کا علم حاصل نہیں کر سکتا وہ بھلا دین کے لیے کو ناقابل ذکر کردار ادا کر سکتا ہے۔ قرآن و حدیث کا

علم ایمان کا حافظہ ہے استقامت کا محافظہ ہے یہ کام کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے کام کے لئے لا جھے عمل بتاتا ہے یہ دراصل وہ روشنی ہے جو راستے چلنے میں مدد دیتی ہے۔ تاریکی میں چلتا گمراہی کا سبب ہوتا ہے دین کے لئے جدوجہد کے راستے پر نکلنے والوں کو دینی علم کی شمعیں جال لیتا چاہیے۔

(۶) عصری علوم : اس کا مقصد یہ نہیں کہ کارکن نے کئی مضامین میں ماسٹر کی ذگری حاصل کی ہو مطلب یہ ہے کہ عصری علوم بھی اس کے مطالعے میں ہوں دراصل تمام ہی عصری علوم اسلام کی حقانیت کے دلائل فراہم کرتے ہیں۔ جدید دور میں پیدا ہونے والے نئے نئے مسائل میں مسلمانوں کی درست رہنمائی کے لیے بھی عصری علوم سیکھنا ضروری ہے۔ حالات حاضرہ کو گمراہی میں سمجھنے بغیر قوموں کی درست رہنمائی ممکن نہیں ہے اور عصری علوم دراصل حالات حاضرہ کا گرفتار ہے۔

(۷) غورو فکر کی عادت : غورو فکر کی عادت سنجیدگی کی علامت ہے۔ دنیا کے ہر بڑے کام ہمیشہ سنجیدہ لوگوں نے کیے ہیں جو غورو فکر کے عادی تھے۔ حکیم لقمان کا کہنا ہے کہ شہادت کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہوا ہی قدر غورو فکر اور دور اندازی کی عادت زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر یہ بڑھ جائے اسی قدر انسان پر راستے کھل جاتے ہیں جو اسے جنت میں پہنچاویں گے۔ غورو فکر نہ صرف ایمان اور استقامت کا محافظہ ہے بلکہ یہ بہترین رہنماء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے مخاطبین کو غورو فکر پر اکسلایا۔

(۸) مطالعہ کی عادت : مطالعہ بھی دراصل غورو فکر کی ایک خاص صورت ہے مطالعہ آدمی کو سنجیدہ بتاتا ہے یہ انسان کی ذہنی صلاحیتوں کو توہا کرتا ہے اچھی کتاب انسان کی بہترین دوست ہے۔ ایک انقلابی کارکن کی زندگی میں مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ کھانا پینا۔ مطالعہ نہ صرف علم میں اضافہ کرتا ہے بلکہ قوت عمل بھی بڑھاتا ہے۔ بہت وجرأت پیدا کرتا ہے استقامت کا سبب بنتا ہے۔ رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے۔

(۹) فلاتی کارکن : اسلامی انقلاب کا عزم رکھنے والا کارکن معاشرے کا بے لوث خدمت

گذار ہوتا ہے۔ وہ معاشرے کی خدمت کے کسی کام کو اپنی ذات یا اپنی جماعت کے مفاد سے مشروط نہیں کرتا۔ عام لوگوں کے لیے وہ نفع خوش شخصیت کا حامل ہوتا ہے۔ لوگوں کے انفرادی یا اجتماعی سائل کے حل کے لئے وہ ممکن حد تک تعاون کرتا ہے۔ وہ اپنے عمل کے ذریعے معاشرے کو صلح اور محبت کا سبق پڑھاتا ہے حقوق العباد کی ادائیگی کا درس دیتا ہے۔

(۱۰) ایثار و قربانی : کوئی برا مقصد ایثار اور قربانی کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی انقلاب کے کارکن کو ایثار و قربانی کا مجسم ہونا چاہیے۔ ایک بدر نہیں بار بار قربانی کا حوصلہ رکھنے والے تین منزل تک پہنچتے ہیں۔ اسلامی انقلاب خواہشات اور عیش و آرام کی قربانی بھی ملتا ہے اور جان و مال کی قربانی بھی اور ایک حقیقی کارکن ہر طرح کی قربانیوں کے لیے اپنے کو تیار رکھتا ہے۔

(۱۱) انقلابی کارکن کو عادل ہونا چاہیے وہ کسی بھی معاملے کو حقیقت کے اعتبار سے دیکھنے والا ہو نہ کہ کسی خاص نقطہ نظر اور جانبدارانہ ذہن کے ساتھ قرآن کے مطابق وہ حق کی گواہی اس حالت میں بھی دے کہ اس کی زد خود اس کی ذات پر یا اس کی جماعت پر پڑ رہی ہو۔

(۱۲) انقلابی کارکن کو تنگ نظر اور انتباہند نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ یہ دونوں صفات بالآخر بدے کو بے عزت کرتی ہیں۔ اس فطرت نا متغیر دنیا میں بقا صرف چک اور اعتدال کے لیے ہے۔

(۱۳) تفقید اور اختلاف رائے کو نہ صرف برداشت کرنے والا ہو بلکہ مٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ خالص علمی انداز میں ترقید اور اختلاف پر غور کرنے کی صلاحیت بھی ہونی چاہیے۔

(۱۴) رزق کے معاملے میں حد درجہ مختار ہو۔ حرام کا ایک لفہ بھی اسے گوارہ نہ ہو۔ محنت اور ایمانداری کے ساتھ رزق حلال کی طلب کرتا ہو۔

(۱۵) اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والا ہو۔ خرچ کرنے کے لیے موقعوں کی تلاش میں رہتا ہو۔ اپنے غریب رشتے داروں اور حکلے والوں پر اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرتا ہو۔

(۱۶) فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ کرتا ہو بلکہ اس کی زندگی میں سنتوں اور نوافل کا

بھی خاص اہتمام ہو۔

(۱۷) راتوں کو انھے اللہ کو یاد کرنے والا ہو اللہ کی یاد میں رو نے والا ہو۔

(۱۸) اپنی براہی کا طالب نہ ہو۔ چیچھے رہ کر کام کرنے میں عافیت محسوس کرتا ہو۔

### محوزہ دعویٰ تحریک کی خصوصیات :

یہاں ہم نے محوزہ دعویٰ تحریک کی خصوصیات واضح کرنی ہیں تب ہی جان سکیں گے کہ اس دعویٰ تحریک کا دائرہ عمل کتنا وسیع ہو گا اس کا طریقہ کار کیا ہو گا اس کا کام کن کن ستون میں ہو گا۔ دعویٰ تحریک کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) معرفت الہی کی تحریک : دعویٰ تحریک میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کرانے کا عنصر اس قدر زیادہ ہوتا چاہیے کہ اسے اگر معرفت الہی کی تحریک بھی قرار دے دیا جائے تو مبالغہ نہ ہو یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تعارف جتنا زیادہ اور جتنا شعوری ہو گا اعمال میں اتنی ہی زیادہ بہتری آئے گی۔ قرآن مجید بھی دراصل اللہ تعالیٰ کے تعارف پر بنی کتاب ہے۔ حدیث رسول ﷺ کے مطابق اللہ تعالیٰ کا خوف بہترین دانائی ہے۔ اللہ کا خوف اس وقت پیدا ہو گا جبکہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طاقت، اس کے مزاج اور اس کی صفات سے اگاہ ہو گویا اللہ تعالیٰ کی معرفت دانائی پیدا کرتی ہے۔ اکثر مذہبی جماعتوں کی دعویٰ کو ششون میں اللہ کا تعارف سرے سے مفقود ہے۔ محراب و منبر کے وارث علماء کرام کے خطبات میں یہ بالکل اجنبی موضوع ہے اسی وجہ سے قرآن مجید کا یہی شرٹ حصہ ان کے خطبات سے غیر متعلق ہو کر رہ گیا ہے کیوں کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے تعارف پر مبنی ہے۔

(۲) اصلاح عقیدہ کی تحریک : ایک لاکھ چوپیس ہزار انبیاء کرام کی سنت یہی ہے آپ نے ہمیشہ اپنی ترجیحات میں اصلاح عقیدہ کو سرفراست رکھا۔ عقیدہ انسان کے قلب و ذہن میں رہتا ہے اور عمل کے لیے تمام احکامات و ہیں سے جاری ہوتے ہیں۔ جمارے معاشرے میں عقیدے کا بگاڑ آخری حد تک موجود ہے جیسا کہ بیان بھی کیا گیا لیکن افسوس نہ ہی جماعتوں

اور واعظین کرام کی ترجیحات میں اصلاح عقیدہ سر فہرست نہیں ہے۔ توحید صرف انسان اور اسکے معاشرے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس معاملے میں اتنا سنجیدہ ہے کہ اس معاملے میں وہ اپنی بے کراں رحمتوں کے باوجود بھی کسی قسم کی نرمی کا روایہ اختیار کرنے پر تیار نہیں ہے۔ نہ ہی جماعتوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ عقیدے کے بکار کو نظر انداز کر کے انسانیت کی فلاں کا کون سا کام کر سکتی ہیں؟

(۳) اصلاح عمل و اخلاق کی تحریک : انبیاء کرام اصلاح عقیدہ کے ساتھ ساتھ ایک خاص حکمت عملی کے تحت اصلاح عمل و اخلاق کی کوششیں بھی کرتے رہے۔ پیشتر معاشرتی مسائل اور ایسے وجوہ سے جنم لیتے ہیں کہ معاشرے کے لوگ حیثیت مجموعی اخلاق سے بیگانہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی صور تحال ایسی ہی ہے۔ جھوٹ، خیانت، ناانصافی، تعصب، دھوکے بازی، حسد، بغض، کینہ، حق تلفی، غیر ذمہ داری، قانون شکنی، بد نظمی جیسی مملک خرابیاں عام ہیں۔ دعویٰ تحریک کے مقاصد میں بطور خاص شامل ہوتا چاہیے کہ وہ معاشرے کا اخلاقی مورال بلند کرے گی اچھے اور تعمیری اعمال کو فروغ دیگی۔

(۴) فہم قرآن کی تحریک : بہت سے کام قرآن کے کرنے کے تھے، جو بد قسمی سے نہ ہبھی جماعتوں نے اپنے ذمے لے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید اور اخلاق و اعمال کی اصلاح کرنے کی بھرپور صلاحیت قرآن کے پاس ہے لیکن کوئی قرآن کی طرف لوگوں کو راغب کرنے والا تو ہو۔ ضرورت ایسی تحریک کی ہے جو مطالعہ قرآن کا شوق پیدا کرے اس پر غور فکر کرنے اور اسے سمجھنے کے لیے لوگوں کو فعال اور سرگرم کرے۔

(۵) فروع علم کی تحریک : مجازہ تحریک کی ایک بڑی پہچان فروع علم سے متعلق سرگرمیوں سے ہوتا چاہیے۔ حیثیت مجموعی اسکا تاثر ایک علم دوست تحریک کا ہواں کے کارکنان انفرادی طور پر بھی تعلیم عام کرنے کی تمام ممکنہ کوششیں کرنے والے ہوں اپنے رشته داروں محلے والوں اور تمام حلقوں اثر میں لوگوں کو حصول علم کی طرف متوجہ کرتے ہوں اس سلسلے میں ان کی رہنمائی اور مدد کرتے ہوں مطالعے کا شوق ان میں پیدا کرتے ہوں اور

ممکن ہو تو خود ناخواندہ لوگوں کو خواندہ مانتے ہوں۔ جبکہ تحریک اپنے طور پر تعلیم عام کرنے کے لیے تعلیم گاہیں قائم کرے، جہاں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جائیں، مختلف ہنر اور فنون کی بھی تعلیم دی جائے۔ ان غربیوں کو تعلیم دی جائے جو تعلیم کے اخراجات برداشت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے۔ یقیناً علوم و فنون کا فروع معاشرے کو طاقتور ہاتے ہیں۔

(۶) فلاحی تحریک : ایک مؤثر اور نتیجہ خیز جدوجہد کے لیے ضروری ہے کہ دعویٰ تحریک میک وقت ایک فلاحتی تحریک بھی ہو۔ دعویٰ تحریک کو غیر سرکاری سطح پر معاشرے اور لوگوں کے مسائل حل کرنے کا ایک طاقتور ادارہ ہونا چاہیے۔ اس طرح ایک طرف دعوت کا عمل زیادہ تیز اور نتیجہ خیز ہو گا اور دوسری طرف جماعتوں کے وسائل اور کارکنوں کی توانائیں تعمیری کاموں میں انسانیت کی فلاج و بہبود کے لیے استعمال ہو سکیں گی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام سے زیادہ انسان کی قدر کسی اور مذہب یا مکتبہ فکر میں نہیں ہے انسانی حقوق کا سب سے بڑا محافظہ اسلام ہے۔ اس لیے انسان کی فلاج و بہبود کے کام اسلام کی ترجیحات میں سے ہیں۔ سیکولر این جی اوز اس وقت جن کاموں کا بیڑہ حکومت کی امداد کے بغیر انجامی ہوئی ہیں وہ دراصل دینی گروہوں کے کرنے کے کام تھے۔ یہے پیمانے پر تعلیمی و طبی سولیات فراہم کر رہا۔ تیکیوں بیویوں کی کفالت، تیکیوں، بے آسر اعورتوں اور بیویوں کی رہائش و طعام اور ان کی تعلیم و تربیت کے ادارے قائم کرنا۔ معذور اور اہمابل مچھوں کے لیے اداروں کے قیام قیدیوں کے مسائل اور حقوق کا خیال رکھنا یہ آسر اقیدیوں کی قانونی امداد کرنا مختلف ہنر اور فنون کی تعلیم دینے والے اوارے قائم کرنا یہ وہ کام ہیں جو دینی لوگوں کے کرنے کے ہیں لیکن فی الوقت ان کاموں کی طرف اگر کسی کی توجہ ہے تو وہ این جی اوز ہیں جن کو ملامت کرتے مذہبی لوگوں کی زبانیں نہیں تھکتیں۔

(۷) کارکنان کی خیر خواہ تحریک : مجازہ تحریک موجودہ جماعتوں اور تحریکوں کی طرح کارکنان کا استھصال کرنے والی نہ ہو۔ کارکنان کو گروہی یا شخصی مقاوم کی بھیت چڑھانے والی نہ

ہو۔ کارکنان کو بیکار اور ہڈ حرام بنانے والی نہ ہو۔ ان کے مستقبل کو تباہ کرنے والی نہ ہو۔ کارکنان کو تنگ نظر، جاہل اور نااہل نہ بنائے۔ جو تحریک خود اپنے کارکنان کی خیر خواہی نہیں کر سکتی اس سے پوری انسانیت کی خیر خواہی کی توقع کرنا محض پاگل پن ہے۔ مجوزہ دعوتی تحریک کو پورے معنوں میں کارکنان کی خیر خواہ ہونا چاہیے۔ وہ کارکنان کے لیے علم خشش تحریک ہو کارکنان کو زیادہ سے زیادہ باصلاحیت اور کار آمد بنانے والی تحریک ہو ان کے دنیاوی مستقبل کو سنوارنے والی تحریک ہو۔ ان کے اخلاص اور تواتا یوں کائیک مقاصد کے لیے جائز استعمال کرنے والی ہو۔

(۸) اسلام کی نظریاتی محافظ : امام خواریؑ نے صحیح خواریؑ کتاب الاعتصام بالكتاب والستہ میں ایک باب باندھا ہے اس عنوان سے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ہو کر لڑتا رہے گا اور وہ اہل علم کا گروہ ہے۔“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقیامت جس لڑائی کی پیش گوئی اپنی حدیث میں فرمائی تھی اس سے امام خواریؑ نے علمی لڑائی کے معنوں میں لیا ہے حقیقت یہ ہے کہ دور نبوی سے لیکر آج تک کوئی دور ایسا نہیں گزرا جبکہ مسلمان اہل علم نے علمی میدان میں باطل قوتوں کے دانت کھٹنہ کیے ہوں۔ ہر دور میں طاغوتی قوتوں نے اسلام کی حقانیت کو مسلکوں بنانے کے لیے طرح طرح کے حصن کیے ہیں۔ لیکن مسلمان علماء نے علمی اور نظریاتی سطح پر اسلام کا بھر پور دفاع کیا اور باطل عقائد اور نظریات کا کامیاب تعاقب کیا۔ دعوتی تحریک میں اس قدر قابلیت اور صلاحیت ہونا چاہیے کہ وہ دور حاضر کے علمی فتنوں کے مقابلے میں اسلامی عقیدوں اور تعلیمات کا بھر پور دفاع کر سکے۔

(۹) ادب کے ذریعے اسلامی دعوت کا فروغ : اسلام کے دعوتی عمل کو تیز اور موثر کرنے کے لیے ایک زبردست ادنیٰ تحریک کا اس وقت خلا ہے اس خلا کو پر کرنے کی ضرورت ہے۔ تاریخ انسانی کے ہرے ہرے انقلابات کی پشت پر ادنیٰ تحریک دیکھی جاسکتی ہے۔ خود قرآن مجید اپنے دیگر مجررات کے ساتھ ایک ایسا زبردست ادنیٰ شاہکار ہے جسکا جواب لانے

سے بڑے بڑے زبان آور عاجز رہے ہیں۔ مغرب نے پسماندگی اور تاریکی کے دور سے ترقی اور روشنی کے دور تک جو سفر طے کیا اس سفر میں ادب ان کا طاقتور معاون تھا۔ یہ سو سی صدی کے آغاز میں کیونٹ انقلاب ادب کے زیر سایہ برپا ہوا خود تحریک پاکستان کی کامیابی ایک اولیٰ تحریک کی مر ہوں منت ہے۔

ادب معاشرے کو متاثر کرنے والا ایک طاقتور عنصر ہے کیونٹ نظریات کی ترویج کے لیے گذشتہ صدی کے پانچ سو عشرين میں اردو ادیبوں نے ایک تحریک کا آغاز کیا جسے ”ترقی پسند اولیٰ تحریک“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ادب کی جملہ اصناف کو کیونٹ فلک کے فروغ کا ذریعہ بنایا اور پاکستان جیسے مذہبی ملک میں ایک خاص حد تک کامیابی بھی حاصل کی۔ ایک حقیقتی اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے اس وقت اسی طرز کی ایک اولیٰ تحریک کی ضرورت ہے جو اسلامی تعلیمات کو ادب کی جملہ اصناف کے ذریعے فروغ دے۔ اس تحریک کو اسلام پسند اولیٰ تحریک کا نام دیا جا سکتا ہے۔

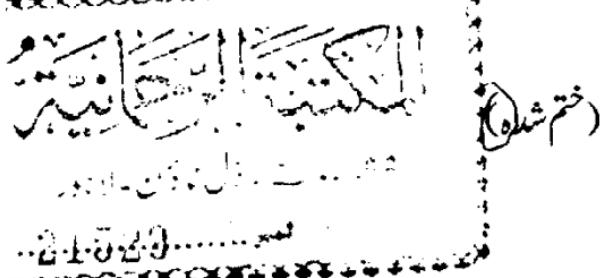
**(۱۰) دعوت ہتوسط ذرائعبلاغ :** ذرائع بلاغ دور حاضر کے طاقتور تین ہتھیار ہیں کسی معاشرے کے ہداو اور بھاڑ میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑا الیہ ہے کہ شخصوں ہمارے ملک کی دینی تحریکوں اور جماعتوں نے اسلامی دعوت کے فروغ کے لیے پھیس فیصل بھی ذرائع بلاغ کی طاقت استعمال نہیں کی۔ اسلام کے غلبے کے لیے ضروری ہے کہ بلاغ کے تمام ذرائع کو آخری حد تک استعمال کیا جائے پر نہ اور الکٹر انک دونوں طرح کے میدیا کو پوری طرح استعمال کرنے کے لیے مجوزہ تحریک میں جس قسم کی صلاحیت کی ضرورت ہے وہ واضح ہے اس صلاحیت کو حاصل کرنے کے لیے یقیناً بہت سمجھیدہ اور شعوری کوشش کی ضرورت ہے۔



دعوتی تحریک کی منتخب خصوصیات کا نہایت اختصار کے ساتھ مذکورہ کیا گیا ہے۔ یہ محض بہت کی طرف اشارہ ہے غور و فکر کے بعد آپ آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تحریک کو مذکورہ خصوصیات کا حامل ہانے کے کیا تقاضے ہیں اور اس سلسلے کی کیا ضروریات ہیں۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ دعوت بذریعہ ”ذرائع البلاغ“ ہونا چاہئے تو اس کا مطلب ہے کہ تحریک میں ذرائع البلاغ کو پوری طرح استعمال کرنے کی صلاحیت ہو۔ خاص طور پر ملکی ذرائع البلاغ میں مذکورہ کے ایک عام کارکن سے لے کر پالیسی ساز افراد تک میں تحریک کی مضبوط لامی ہو۔ پیرو کریم سے لے کر بیکوں کریم تک مصنفوں اور کالم نگاروں سے لے کر پورٹرلوں اور نیوز ائیڈیٹرلوں تک تمام ذرائع البلاغ میں ہر سطح پر دعوتی مزاج اور دعوتی تراپ رکھنے والے افراد ہونے چاہئیں۔ جب ہی آپ الیکٹر ایک اور پرنٹ میڈیا کو دعوتی مقاصد کے لئے پوری طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے پھر اس مقصد کے لئے آپ کو دینی ذہن رکھنے والوں کو ترغیب دلانا ہو گی کہ وہ ذرائع البلاغ سے متعلق تمام تکمیلی شعبوں میں مہارت حاصل کریں اس کی تربیت لیں۔ مذہبی عناصر کے کھنڈن والے ماحول میں آپ کی ہر ترغیب شہر منوعہ کے استعمال کی ترغیب ملن جائے گی۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ دعوتی تحریک کو صرف اس ایک خصوصیت کا حامل ہانے کی راہ میں کس قدر چیلنجز ہیں۔

عصری تقاضوں کے مطابق ایک زبردست دعوتی تحریک کے احیاء کی جدوجہد ایک کٹھن راستے کا انتخاب ہے لیکن کیا کیا جائے کہ اسلامی انقلاب کا عزم مرکھنے والوں کے سامنے چواؤں کٹھن یا آسان راستوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کی نہیں ہوتی بلکہ یا منزل اور بے منزل میں سے کسی ایک راہ کو چواؤں کے کرنا پڑتا ہے۔

ہمارے خیال میں با منزل راستے پر ست روی سے چواؤں کے منزل راستوں برداشت سے بہر حال بہتر ہے۔



## چلو آؤ پھر سے کریں سفر

وہ جو ہوچکا اسے بھول کر  
 نئی عظمتوں کے سراغ لیں  
 چلو آؤ پھر سے کریں سفر  
 چلو آؤ منزل کی راہ لیں  
 کفر کے رستے روک دیں  
 دین کو جو فراغ دیں  
 وہ جو نفترتوں کو کریں ختم  
 چلو ایسے عالی دماغ لیں  
 عزم نئی مشکلیں  
 نیا نیا درد نئی رکاوٹیں  
 چلو منزلوں کی تلاش میں  
 نئے زخم لیں نئے داغ لیں  
 ظلم ہے یہاں چار سو  
 یہاں سیاہی پھیلی ہے گوجبہ گو  
 چلو نظمتوں کو ختم کریں  
 چلو روشنی کے چراغ لیں

(سید عامر نجیب)

